ربیع الاول 1436ھ

ماہنامہ

المرشد

جنوری 2015ء

محمد رسول اللہ

عن أم أنس أنها قالت يا رسول الله أوصني قال اهجري المعاصي فإنها أفضل الهجرة وحافظي على الفرائض فإنها أفضل الجهاد وأكثري من ذكر الله فإنك لا تأتين الله بشيء أحب إليه من كثرة ذكره (الطبرانی)

حضرت ام انسؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے نصیحت فرمائیے۔ فرمایا گناہوں سے ہجرت کرو یہ بہترین ہجرت ہے۔ فرائض کی پابندی کرو کہ یہ بہترین جہاد ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو کیونکہ اللہ کے دربار میں اللہ کے ذکر سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں لے جا سکتیں۔

بڑا نازک مسئلہ ہے کہ حضور ﷺ کا تذکرہ کس انداز میں کیا جائے، کس وقت کیا جائے۔ شرط یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے ارشادات کی حدود کے اندر رہ کر ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تصوف

تصوف کیا ہے؟

تصوف، ایمان و اسلام کی ابتداء ہے۔ تصوف حصولِ اخلاص کا آسان راستہ ہے اور دین پر چلنا آسان بناتا ہے۔

بچہ جب ہوش سنبھالتا ہے تو اپنے ماحول سے بہت سا اثر لے چکا ہوتا ہے۔ اس کے افکار و اعمال، اس کے ماحول کے عکاس ہوتے ہیں۔ ماحول کی خرابیاں بھی اثر انداز ہوتی ہیں اور اچھائیاں بھی اثر انگیز، اس کے باوجود انسان کو اللہ نے ایک استعداد بخشی ہے۔ اگر وہ اس استعداد کو بروئے کار لے آئے تو حق اور ناحق کا فرق پہچان لیتا ہے۔ یہ پہچان عقل سے نہیں دل سے ہوتی ہے۔ عقل اس کی تائید ہوتی ہے۔

تصوف دل کی اس صفائی کا نام ہے جو انسان کو نہ صرف حق کو پہچاننے بلکہ حق پر دلی گرویدگی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی قوت عطا کرتی ہے۔ اسی لیے صحابہ رضوان اللہ علیہ علیہم اجمعین کثرتِ عبادت سے یا کثرتِ سخاوت سے درجۂ صحابیت پہ نہ پہنچے بلکہ انہیں صحبتِ عالی ﷺ نے صحابیؓ بنایا۔

حضور اکرم ﷺ دارِ فانی سے دارِ بقا تشریف لے گئے تو کوئی صحابیؓ نہ بن سکا لیکن صحبتِ عالی کا فیض، برکات نبوت کی پھوار بعداز وصالِ نبوی ﷺ بھی برستی رہی، آج بھی اسی شان سے برس رہی ہے، ابدالآباد برستی رہے گی۔ اس کے حصول کے لیے پہلے صرف صحبت کافی تھی، اب مشائخ عظام، پیروں، ولیوں کی صحبت کے ساتھ دل کی صفائی کے لیے محنت، مجاہدہ اور استقلال چاہیے۔ جو کیفیات ایمانی، اولیاء اللہ کی مجلس میں خلوصِ دل سے اللہ کو پانے کے لیے آنے والوں کو نصیب ہو جاتی ہیں، وہ کیفیات محض کثرتِ عبادات سے حاصل نہیں ہوتیں۔ ایمان و اسلام کی ابتداء خلوصِ دل سے، خلوصِ نیت سے ہوتی ہے۔ تصوف ایمان و اسلام کی ابتداء ہے۔ یہ مشکل کیسے ہو گیا؟ ہم نے اسے چھوڑ دیا اور اب ہمیں اسلام مشکل لگتا ہے۔

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

جنوری 2015ء ربیع الاول/1436ھ

جلد نمبر 37 شمارہ نمبر 05

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
کلام شیخ	سیماب اویسی	5
اقوال شیخ	انتخاب	6
طریقہ ذکر		7
بعثت رحمت عالم ﷺ	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	17
اکرم التفاسیر	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	21
سوال وجواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	29
بشارت نبویؐ سے متعلق ایک گمراہی کا رد	مولانا رشید احمد فریدی	31
ذکر خفی	مولانا خالد محمود، بہاولپور	37
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	40
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	42
نظام حکومت	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	45
مسائی جمیلہ	الاخوات، لاہور	47
طب (سیب)	حکیم عبدالماجد اعوان	51
Question and Answers Translated Speech	Ameer Muhmmad Akram Awan MZA	54
A LIFE ETERNAL CH:22	Abul Ahmadain Translation : Naseem Malik	57

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت، سری لنکا، بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ، یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں اس دائرے میں اگر کراس ✕ کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ منارہ ضلع چکوال، ویب سائٹ سلسلہ عالیہ: www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم **اسرار التنزیل** سے اقتباس

وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ............اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (البقرہ: 44)

اللہ کے بندو! لوگوں کو تو بھلائی کا حکم کرتے ہو، نیک کام کرنے کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

علمائے یہود اپنے مسلمان ہو جانے والے رشتہ داروں سے تو یہ کہتے تھے کہ یہ حق ہے اور اس پر جمے رہو مگر خود اس طرف نہیں آتے تھے نیز یہ ان لوگوں کو بھی متنبہ فرمایا جا رہا ہے جو وعظ تو خوب کہتے ہیں مگر عملی زندگی درست نہیں رکھتے لوگوں کو جن باتوں سے منع کرتے ہیں خود اُنہی کے مرتکب ہوتے ہیں اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ عوام تو محض سُنی سنائی کی حد تک جان سکتے ہیں اور تم خود کتاب کے جاننے والے یعنی عالم ہو کیا تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے۔ تمام نیکیوں کی بنیاد عقیدہ ہے جو شخص بھی عقائد کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور ان کی اصلاح نہیں کر پاتا وہ مزید نیکی کیا خاک کرے گا۔ جیسے علمائے یہود باقی اچھے کام کرنے کو تو کہتے تھے مگر عقیدہ جو ضروری اور بنیادی چیز تھا یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا نہ اس کی تلقین کرتے نہ خود لاتے۔

تو یہ سب کیوں ہے؟ لذت طلبی اور عزت واقتدار کی خواہش، دولت کی طلب کہ شاید اس طرح یہ چیزیں نصیب ہوں اور زندگی آرام سے گزرے۔ فرمایا، یہ اندازِ فکر ہی خلافِ حقیقت ہے کہ یہ دُنیا مصیبتوں کا گھر ہے جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ خواہش تو انسان کر سکتا ہے مگر اس کی تعمیل اس کے بس میں نہیں اور یہ خواہشات زندگی کو اجیرن بنا دیتی ہیں اس کے لیے نہ دولت کے پیچھے دوڑ و نہ اقتدار اور پیشوا بننے کے ہوس میں حق سے گریز کرو بلکہ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ صبر اور صلوٰۃ یعنی عبادات اور دُعا سے مدد حاصل کرو۔ صبر کیا ہے؟ اللہ کی اطاعت پر اپنے آپ کو کاربند کر لینا اور عدم اطاعت سے نفس کو روک لینا۔

اداریہ

بعثتِ رحمت عالمؐ

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (سورۃ آل عمران:132)

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''

قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے متعلق بے شمار ارشادات باری تعالیٰ ملتے ہیں اور ان ہی ارشاداتِ عالی میں جب انسان اس ارشادِ باری تک پہنچتا ہے جس میں اللہ کریم نے آپؐ کو رحمۃ اللعالمین ارشاد فرمایا ہے تو ایک بات یقینی اور حتمی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ ربّ اللعالمین نے خالق سے مخلوق کی طرف رحمت کا سبب آپؐ کی ذات کو بنایا اور عالمِ خلق میں رحمتِ باری تعالیٰ کی واحد مجسم صورت آپؐ کا وجودِ عالی نظر آتا ہے۔

ایک ذات خالق کی ہے باقی جو کچھ ہے وہ مخلوق ہے۔ عمومی طور پہ ہم اپنی ذات یا تخلیقات باری کے وجود کی تدریج کو دیکھتے ہیں۔ رات اور دن کے تغیر و تبدل، موسموں کا آنا جانا یا کسی بھی تخلیق کا تسلسل میں ہونا اللہ کریم کی بہت بڑی رحمت ہے لیکن اگر سوچ کو اس سے ایک کروٹ پہلے لے جائیں تو عدم ہے۔ عدم سے وجود کا عطا فرما دینا اس تسلسل سے بھی بڑی عطا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں اللہ ربّ اللعالمین نے صرف مسلمانوں کو ہی اس حوالے سے مخاطب نہیں فرمایا بلکہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

''اے لوگو، اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (گرفت سے) بچ سکو۔'' (سورۃ البقرہ:21)

سو اب وجود کا عطا فرمانا بھی تو رحمتِ باری کا خاصہ ہے اور جب اللہ کریم نے تمام رحمتوں کا سبب نبی کریم ﷺ کی ذات کو ارشاد فرمایا تو آپؐ کی ذات سے اظہارِ محبت صرف مسلمان نہیں، تمام مخلوق کے ذمے آتا ہے۔

ماہ ربیع الاوّل جہاں آپؐ کی ولادت مبارک کا مہینہ ہے وہیں یہی ماہِ مبارک وصالِ نبوی ﷺ کے امتحان میں بھی ڈالتا ہے۔ ولادت باسعادت کے حوالے سے آٹھ ربیع الاوّل سے بارہ ربیع الاوّل تک علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر وصالِ نبوی ﷺ کے حوالے سے 12 ربیع الاوّل پہ تمام علمائے کرام متفق ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک سے لے کر چھٹی، ساتویں ہجری تک ولادتِ باسعادت یا وصالِ نبوی ﷺ کے حوالے سے کسی دن کو منانے کی کوئی مستند شہادت نہیں ملتی۔ تقریباً چھٹی صدی ہجری میں ماہِ ربیع الاوّل میں شاہِ اربل سلطان مظفر ابو سعید کو حافظ ابن وحیہ نے سیرتِ پاک پہ ایک نادر نسخہ ''التنویر فی مولد البشیر النذیر'' تالیف کر کے پیش کیا اور پہلی مرتبہ ربیع الاوّل کے مہینے میں ہی اس کتاب کی رونمائی کے لیے بادشاہ نے بڑے بڑے علماءِ کرام کو مدعو کیا اور یوں باقاعدہ ایک تقریب ہوئی۔ تاریخ اسلام میں آپؐ کے حوالے سے ربیع الاوّل میں منائے جانے والے واقعات میں یہ سب سے پہلا واقعہ ہے اور تب سے ماضی قریب تک ماہِ مبارک ربیع الاوّل ہو یا نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے کوئی خاص موقع، آپؐ کی ذاتِ اقدس کے حوالے سے منعقد کیے جانے والے پروگراموں میں کثیر تعداد سیرتِ پاک سے متعلق پروگراموں کی ہوا کرتی تھی۔

آپؐ کی ولادتِ باسعادت یا آپؐ کی بعثت مبارک سے اظہارِ محبت، اصلِ ایمان ہے لیکن سیرت کے پروگرام سے ولادت کے جلسہ اور جلسہ سے جلوس اور جلوس سے جشن تک پہنچنے میں ہم نے حدود و قیود سے بہت تجاوز اختیار کر لیا ہے، جو کسی صورت بھی جائز نہ ہوگا۔ یہ وہ دربار ہے جہاں عشق و جنون بھی اُصول و ضوابط کے پابند ہیں۔

میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے گزارش کروں گا کہ فروعی اختلافات اور اپنی اپنی ذات سے بالاتر ہو کر اس اظہارِ محبت کی نزاکت کو سمجھیں اور خود فیصلہ فرمائیں کہ نادانستہ طور پہ بھی نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے حوالے سے کوئی گستاخی سرزد ہونا عنداللہ کتنی بڑی گرفت کا سبب ہوگا۔

آخر میں عشقِ محمد ﷺ میں لکھا گیا فارسی شعر نذر کرتا ہوں

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

پہلا لطیفہ۔ مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

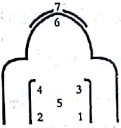

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

چھٹا لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

5 جنوری 2014

بعثت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (الحشر:22)

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (28)

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ۔

الحمدللہ! وہ ماہِ مبارک پھر سے آیا جس میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثتِ عالی ہوئی۔ قرآنِ کریم، جہاں بھی رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ فرماتا ہے تو بات آپؐ کی نبوت سے، آپؐ کی بعثت سے، آپ ﷺ کی رسالت سے شروع کرتا ہے۔ آپؐ کی ولادت اسی مبارک مہینہ میں ہے۔ آپؐ کی عمر مبارک چالیس برس پوری ہوئی تو بعثت اِسی مہینے میں ہے، آپؐ کا وصال اسی مہینے میں ہے

ولادت باسعادت بے پناہ رحمتوں، بے پناہ برکات کا سبب ہے لیکن قرآن کریم ولادت کی بات نہیں کرتا۔ کیوں نہیں کرتا؟ اللہ کی نعمتیں دنیا پر بے پناہ ہیں، ہر طرح کی مخلوق ان سے مستفید ہوتی ہے۔ آپؐ کی ذات رحمت اللعالمین ہے۔ عالمین میں نوری مخلوق، آسمانی مخلوق بھی آجاتی ہے، دنیا کی حیات، دنیا کے علاوہ بھی اگر کسی سیارے پر مخلوق ہے یا خود سیارے، زمین، آسمان ہر چیز مخلوق ہے اور یہ ساری مخلوق عالمین میں آجاتی ہے۔ عالمین کی وسعت اتنی ہے کہ ایک ذاتِ باری کو چھوڑ کر باقی سب کچھ عالمین میں آجاتا ہے۔ اس عالمین میں وجود کا تخلیق ہونا، حیات کا پانا، زندگی کی نعمتیں پانا، زندگی کے وسائل پانا، زندگی کے اسباب پانا یہ سب نعمتیں شامل ہیں اور اس میں مومن اور کافر کی کوئی تخصیص نہیں۔ اس میں مخلوق کی بات ہے خواہ وہ مومن ہے، خواہ وہ کافر ہے، خواہ وہ انسان ہے خواہ وہ حیوان ہے کسی طرح کی بھی مخلوق ہے وہ اللہ کی رحمت پا رہی ہے اور حضور اکرم ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد ہر طرح کی رحمت کا منبع اور ماخذ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔

اللہ نے آپ ﷺ کو کتاب عطا فرمائی جو اللہ کا ذاتی کلام ہے جو غیر مخلوق ہے۔ ہماری آواز مخلوق ہے، ہمارا پڑھنا مخلوق ہے ہمارا لکھنا مخلوق ہے، الفاظ مخلوق ہیں، وہ کاغذ مخلوق ہے جس پر قرآن لکھا جاتا ہے لیکن قرآن کریم مخلوق نہیں ہے یہ اللہ کی صفت ہے۔ تحریر ہر زبان کے ابجد سے شروع ہوتی ہے۔ پھر اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے جو انسان ادا کرنا چاہتا ہے اس میں ترتیب بنی، الفاظ بنے، لیکن مفہوم اُن گھیروں ، اُن ٹنڈوں میں مقید ہوتا ہے۔ وہ گھیرے وہ ٹنڈے س، ش، ص، ض مفہوم نہیں ہوتے اُن میں وہ مفہوم محفوظ ہوتا ہے۔ اس مفہوم کو پڑھ کر وہ اصل شے جو الفاظ میں مقید ہے، وہ اصل میں اللہ کا کلام ہے۔ وہ غیر مخلوق ہے۔ وہ اللہ کی صفت ہے جس طرح اللہ کی ذات بے مثل بے مثال ہے، اس کی ساری صفات بھی غیر مخلوق ہیں، وہ اللہ کی ذات

نے وابستہ ہیں۔ قرآن کریم کا تعلق بھی بعثت عالی سے ہے۔ بعثت شروع ہی قرآن کی آیت سے ہوتی ہے۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (العلق: 1) تو بعثت عالی ﷺ حقیقی رحمت پہنچاتی ہے۔

دنیا کی زندگی، اس کی نعمتیں اور اس کا رزق بڑے انعامات ہیں لیکن اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ جب دنیا کی زندگی ختم ہوتی ہے تو یہ ساری چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ان کی کوئی افادیت نہیں رہتی۔ یہ نور ایمان ہے اور اتباع رسالت ہے کہ اگر کوئی ساری زندگی بھی کرتا رہتا ہے، بہت بلند مقام و مراتب بھی حاصل کر لیتا ہے تو بھی حقیقی لذت اُسے موت کے وقت یا موت کے بعد نصیب ہوتی ہے کہ نور ایمان کا اور اتباع رسالت کا مزہ کیا ہے؟ یہاں بھی لذت نصیب ہوتی ہے، بندہ جان دے دیتا ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت نہیں چھوڑتا لیکن جو لذت اطاعت نبی ﷺ کی عندالموت نصیب ہوتی ہے اور بعد از موت نصیب ہوتی ہے، وہ دنیا میں ہو نہیں سکتی۔ وہ عالم ہی الگ ہے وہ باقی ہے۔ اللہ نے ہمیشہ باقی رہنے والا بنایا ہے، اس کی لذتیں دائمی ہیں اور حقیقی ہیں۔ دنیا مادی ہے اور اس کی لذتیں بھی مادی ہیں۔ حقیقی اور مادی میں بڑا فرق ہے لیکن ہم جہالت کا شکار ہیں۔ الحمد للہ! ہم مسلمان ہیں۔ اللہ کریم کو مانتے ہیں لیکن اللہ کو کون نہیں مانتا۔ سوال یہ ہے کہ کس زمانے میں کن لوگوں نے اللہ کو نہیں مانا؟ اللہ کی ذات کو ماننا انسانی عقل کی مجبوری ہے۔ ہر قوم نے ہر عہد میں اللہ کو مانا۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ کافروں پر جب میرے انبیاءؑ نے دین پیش کیا تو انہوں نے کہا یہ نبیؑ نہیں ہے یہ اللہ پر جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کافر بھی اللہ کو مانتے تھے۔ نبوت کا انکار کر رہے تھے لیکن اللہ کو مانتے تھے۔ پھر اگر اللہ کو مانتے تھے تو کافر کیسے ہوئے، مشرک کیسے ہو گئے؟ مشرک اور کافر وہ اس وجہ سے تھے کہ وہ اللہ کو اپنی پسند سے مانتے تھے۔ اللہ کو ماننا عقل کی مجبوری ہے کہ یہ چیز کس نے بنائی؟ فلاں نے، اُسے کس نے بنایا؟ فلاں نے، اُسے کس نے بنایا؟ فلاں نے۔ آخر ایک ہستی ماننا پڑتی ہے جو خود واجب الوجود ہے جسے کسی نے نہیں بنایا جس نے سب کو بنایا۔ اگر یہ مانا نہ جائے تو پھر تسلسل واجب آتا ہے پھر تو کوئی حد ہی نہیں بنتی۔ لہٰذا اللہ کو ماننا مجبوری ہے۔ مشرک اس لیے ہوئے کہ اللہ کو مانتے رہے لیکن اپنے انداز سے مانتے رہے۔ انہوں نے مختلف اکابرین کے نام، کسی نے انبیاءؑ کو اللہ کا بیٹا بنا لیا، کسی نے بت کو اللہ کا جانشین بنا لیا اور اپنی توقعات غیر اللہ سے وابستہ کر لیں آج ہماری اکثریت بھی اسی زعم میں مبتلا ہے کہ ہم اللہ کو تو مانتے ہیں لیکن بارش فلاں برساتا ہے، اللہ کو مانتے ہیں لیکن اولاد فلاں نے مجھے دی ہے۔ میرا درد فلاں ٹھیک کرتا ہے، میرے امراض فلاں درست کرتا ہے میری مشکلات فلاں دور کرتا ہے۔ جب یہ بات آگئی تو اتباع رسالت پناہی ﷺ نہ رہا۔ لہٰذا علمائے حق نے فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بچے کو جب اللہ کا تصور دو تو بتاؤ کہ میں اللہ کو اللہ مانتا ہوں اور ویسا مانتا ہوں جیسا محمد رسول اللہ ﷺ جو حضرت عبداللہ کے فرزند مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور ہجرت فرما کر مدینہ منورہ گئے، جیسا وہ منواتے ہیں میں ویسا مانتا ہوں اور یہی اللہ نے اس آیہ کریمہ میں اپنا تعارف دیا هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی ..... اللہ کون ہے، اللہ کیسا ہے، اللہ کو کیسے مانا جائے، کیا تصور ہو دل میں، ذہن میں کس طرح سے اللہ کو مانیں؟ فرمایا! اللہ وہ ہے اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ جس نے اپنے نبی ﷺ کو بھیجا، مبعوث فرمایا۔ ذات باری وصفات کا حقیقی تصور اور حقیقی تعارف وہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے عطا فرمایا۔ اب اس کے علاوہ ہم اپنے تخیل سے، اپنے تصور سے، اپنے خیال سے مانتے رہیں تو وہ ماننا، نہ ماننا برابر ہوا۔ ماننے کی شرط یہ ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا بِالْهُدٰی ہدایت کے ساتھ۔ یعنی ساری ہدایت، ساری نیکی، ساری صحت، صحت ایمان بھی، صحت کلام بھی، صحت عمل بھی ایک بات میں پوشیدہ کر دی کہ جو میرا رسول اللہ ﷺ فرماتا ہے وہ صحیح ہے باقی سب باتیں غلط ہیں۔ بعثت عالی ﷺ کے بعد سارا حق اتباع رسالت ﷺ میں ہے۔ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے تب سے لے کر قیام قیامت تک اللہ کا دین حضرت آدم علیہ السلام سے

شروع ہوا۔ پہلا انسان جس نے زمین پر قدم رنجہ فرمایا اللہ کا نبیؑ تھا اور قیامت قائم ہوگی تو ایمان والے بھی ہوں گے۔ حضور اکرم ﷺ کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ قیامت کے قریب، جب قیامت قائم ہونے والی ہوگی تو بہت خوبصورت، بڑی خوشبودار، بڑی راحت افزاء ہوا چلے گی جس میں سب ایمان والے انتقال کر جائیں گے اور قیامت کا حادثہ اُن لوگوں پر قائم ہوگا جو سارے کافر ہوں گے اس کا مطلب ہے قیام قیامت تک ایمان والے رہیں گے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کو تجسس ہوا، حق کی طلب ہوئی، ان کا کنبہ، قبیلہ اور قوم آتش پرست تھی۔ انہیں یہ بات پسند نہیں تھی کہ آگ کی پوجا کی جائے۔ وہ جانتے تھے کہ آگ تو ہم خود بجھا سکتے ہیں جلا سکتے ہیں۔ وہ ہماری محتاج ہے۔ ہم لکڑیاں اکٹھی کر کے جلا دیں۔ اوپر پانی ڈال دیں تو بجھ جاتی ہے، یہ پوجنے کے لائق کب ہے۔ اُن کی اکثر عمر حق کی تلاش میں گزری۔ ایک راہب کے پاس پہنچے، کافی عرصہ اس کے پاس رہے اُس نے کہا کہ ہم لگے تو ہوئے ہیں لیکن ہمارے پاس بھی حق نہیں رہا مسخ ہوگیا ہے۔ اور حق کی تمہیں تلاش ہے تو انتظار کرو۔ نبی آخر الزماں مبعوث ہوں گے، اُن کے ہاں تمہیں حق ملے گا وہ وادیٔ بطحاء میں ہوں گے تو سلمان فارسیؓ اس طرف چل پڑے۔ طویل سفر کے بعد جنگل میں ایک راہب کے پاس پہنچے۔ وہ کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ چند بکریاں اس نے رکھی ہوئی تھیں اور ان کے دودھ پر اس کا گزارہ تھا۔ پانی کا ایک چشمہ تھا، لوگ برکت کے لیے اور دعائیں کرانے کے لیے آتے جاتے رہتے تھے لیکن وہ کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ فرماتے ہیں میں وہاں مقیم ہوگیا حتیٰ کہ کچھ عرصہ گزر گیا تو اُن بزرگ نے دیکھا کہ یہ بندہ جانے والا بھی نہیں اور خدمت بھی بڑی کر رہا ہے تو انہوں نے میرے ساتھ بات کی۔ مجھ سے پوچھا کہ تم کیوں یہاں بیٹھے ہو اتنا عرصہ ہوگیا اور میری خدمت کر رہے ہو۔ تو میں نے عرض کیا! حضرت! میں حق کی تلاش میں نکلا ہوں، کہ اب حق تو تب ملے گا جب اللہ کا آخری نبی ﷺ مبعوث ہوگا۔ بڑے بزرگوں کے پاس گیا ہوں۔ وہ کہتے ہیں، ہم لگے ہوئے ہیں، محنت کرتے ہیں، مجاہدہ کرتے ہیں لیکن ہمارے پاس بھی دین خلط ملط ہوگیا ہے، خالص نہیں ہے۔ اس نے کہا! دیکھو میں اس لیے لوگوں سے بات نہیں کرتا کہ میرے پاس خالص دین عیسوی ہے لیکن اگر میں زبان کھولوں تو یہ اتنے گمراہ ہو چکے ہیں کہ مجھے قتل کر دیں گے۔ جو ان کے پاس ہے اُسے یہ حق سمجھتے ہیں۔ میں بات کروں گا تو یا مجھے یہ پاگل کہیں گے یا بے دین کہیں گے۔ جیسے آج کل ہمارا رواج ہے کہ بدعات کی تائید کرو تو علامہ کہلاؤ، بدعات کا رد کرو تو وہابی ہوگئے۔ چوری کرو ڈاکہ ڈالو قتل کرو وہابی نہیں کہلاتے ہاں! بدعات کا رد کرو تو وہابی ہو جاتے ہو۔

انہوں نے کہا کہ میں اگر ان لوگوں کو حق بتاؤں تو یہ مجھے قتل کر دیں گے لیکن حق، زمین پر ہمیشہ رہتا ہے۔ خواہ میں ایک ہوں مگر میرے پاس اصل دین عیسویؑ ہے۔ میں تمہیں نشانی بتاؤں، میرا جب وصال ہوگا تو وادیٔ بطحاء میں نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہو چکا ہوگا۔ یعنی دنیا نور ایمان سے خالی نہیں رہتی اور خالی ہو جائے تو قائم نہیں رہ سکتی، قیامت آجائے گی۔ تو خواہ وہ ایک بندہ تھا مگر حق پر تھا۔ اس کے بعد ان کا وصال ہوا۔ وہ بکریاں حضرت سلمان فارسیؓ کو دے گئے۔ آپؓ بکریاں لے کر مدینہ منورہ کو چلے تو راستے میں کسی قافلے والے نے قابو کر لیا انہوں نے بکریاں بھی چھین لیں، انہیں غلام بنالیا۔ بڑی اذیتیں دیں، بڑی مشکلات طے کر کے پھر اُن کی رسائی آقائے نامدار ﷺ تک ہوگئی۔ میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ خواہ ایک بندہ بھی صاحب ایمان ہو ایمان دنیا میں رہتا ہے اگر دنیا ایمان سے خالی ہو جائے تو دنیا قائم نہیں رہ سکتی لیکن ہر وہ نقطۂ نظر جو ہم اختیار کرتے ہیں، جسے ہم ایمان سمجھ کر چمٹ جاتے ہیں وہ ایمان نہیں ہوتا۔ ایمان صرف وہ ہے جو محمد رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ (الفتح:28) ساری کی ساری ہدایت اُسی دین میں ہے جو حضور ﷺ نے بتایا اور یہی دین حق ہے۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الفتح:28) اور اسے اس

لیے نازل فرمایا کہ یہ باقی ادیانِ باطلہ پر غالب ہے۔ قرآن کریم اور دین اسلام اپنے دلائل کے اعتبار سے تمام ادیان باطلہ پر غالب ہے اور غالب رہے گا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں ہم نے غالب کرنا ہے۔ غالب تو اللہ نے اُسے بنایا ہے اور یہ غالب رہے گا۔ کوئی اس کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا۔ ہاں، اس کے نفاذ میں اگر ہم اپنی کوششیں شامل کر دیں تو یہ سعادت ہماری ہے یہ دین کی مدد نہیں۔ یہ ہم اپنی فلاح کے لیے کر رہے ہیں کہ دین کے طفیل اللہ کی رضا کو پالیں۔

ہمارے یہ مزاج ہیں کہ ہم چھوٹے راستے تلاش کرتے ہیں جنہیں شارٹ کٹ (Shortcut) کہتے ہیں۔ یہ بت پرستی کیوں شروع ہوئی؟ اللہ کی ذات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ ہماری سمجھ، ہماری عقل مخلوق ہے وہ خالق ہے۔ مخلوق کے احاطے میں جو چیز آجائے گی وہ مخلوق ہوگی۔ خالق اس سے بالاتر ہے۔ عظمت باری کو جاننا اور صفات باری کو محسوس کرنا یہ کیفیت حاصل کرنا قلب کا کام ہے یہ عقل سے بالاتر ہے۔ جب ہماری عقل نہیں سمجھتی، دل زندہ نہیں ہوتے، جب کیفیات نصیب نہیں ہوتیں تو عقل استعمال کر کے اللہ کی طرف ہم شارٹ کٹ تلاش کرتے ہیں کہ میرا کام چلو اللہ ہی کرنے والا ہے یہ اس سے کرا دے گا۔ وہ جو "یہ" ہے اس کے زیر سایہ یہ سارے بت بن جاتے ہیں۔ وہ پتھر کے ہوں مٹی کے ہوں، نہ بھی ہوں تو ذہن میں ایک بت، تصور میں ایک شئے آجاتی ہے، دل میں ایک شے بس جاتی ہے۔ اس طرح کے سارے تصورات باطل ہیں۔

ابھی صفر المظفر کا مبارک مہینہ گزرا۔ ہمارے ہاں رواجات کا عالم یہ ہے کہ ہم صفر کے آخری عشرے میں مٹھائیاں بانٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صفر کا مہینہ چونکہ منحوس ہے لہٰذا اس کے ختم ہونے پر مٹھائی بانٹنا ثواب ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ صفر کو منحوس کس نے کہا؟ کیا یہ حدیث میں ہے قرآن میں ہے؟ اللہ کے بنائے سارے مہینے مبارک ہیں۔

جب حضور اکرم ﷺ اپنے آخری مرض میں مبتلا ہوئے اس کے بعد اس دنیا سے پردہ فرما گئے بیماری میں صفر المظفر کے آخری ایام تھے اور ربیع الاول میں آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ تو یہودیوں کو جب انہیں پتہ چلا کہ آنحضور ﷺ کی طبیعت ناساز ہے تو انہوں نے خوشی میں مٹھائیاں بانٹی تھیں آج ہم گھر گھر مٹھائیاں بانٹ رہے ہیں۔ یہ ہم نے شارٹ کٹ بنالیا ہے کہ ایسا کرنے سے شاید بڑا فائدہ ہوگا۔ حالانکہ یہ رواج یہود بے بہبود نے ڈالا تھا کہ جب حضور ﷺ کی بیماری کی خبر ان تک پہنچی تھی تو انہوں نے مٹھائیاں بانٹی تھیں تو یہ سب اس طرح کی چیزیں دین نہیں ہیں۔ دین کے معاملے میں یہ احتیاط لازم ہے کہ وہ بات اختیار کی جائے جس کی اصل اور اساس حضور اکرم ﷺ کے ارشاد یا آپ ﷺ کے عمل یا یہ کہ کسی عمل کو ہوتا دیکھ کر آپ ﷺ نے قبول فرمایا ہو، رد نہ فرمایا ہو تو یہ دین کی اساس ہے۔

اللہ کریم نے، دل سے لے کر عقل کی رسائی تک ہر طرح کے دلائل سے، اقوام رفتہ کے دلائل سے، عظمت رسالت ﷺ کے دلائل سے، انبیاءؑ کے تبلیغ کے انداز کے دلائل سے، واقعات عالم سے لے کر اپنی ذات اور اپنی صفات اور اپنے انبیاء کی کارکردگی کے سارے دلائل بیان کر کے واضح کر دیا ہے کہ یہ دین حق ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (الفتح: 28) وہ ذات والا صفات خود اس بات پر گواہ ہے کہ اسلام دین حق غالب ہے اور غالب رہے گا۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے مخلوق کو بے پناہ فائدے پہنچے۔ ہر طرح کا رزق، اس میں برکت، سب سے بڑی بات کہ آپ ﷺ کے دنیا میں قدم رنجہ فرمانے سے جو اجتماعی عذاب آتے تھے موقوف ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے خود بہت سی باتیں گنی ہیں جن کا تعلق آپ ﷺ کے دنیا میں جلوہ نما ہونے سے ہے تو ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جو اجتماعی عذاب آتے تھے اور قومیں غرق ہو جاتی تھیں، تباہ ہو جاتی تھیں، آسمان سے آگ برستی تھی، زمین کے تختے الٹ دیئے گئے، آسمانوں سے پتھر برسے یہ سارے اجتماعی عذاب حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کے بعد ختم کر دیے گئے۔

پہلے ادیان میں اہل حق ایک خاص جگہ متعین کرتے تھے، نماز وہیں ہوتی تھی اور وہ اس جگہ کو پاک رکھتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے

تذکرے میں قرآن کریم نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے انہیں حکم دیا کہ اپنے گھروں کو قبلہ رو بناؤ اور اُن میں نماز پڑھ لیا کرو۔ قبلہ رو کوئی عمارت ہوتی یا احاطہ ہوتا یا کوئی حد بندی کر دی جاتی تھی اسی میں نماز ہوتی تھی باہر نہیں ہوتی تھی۔ حضور ﷺ نے زمین پر قدم رنجہ فرمایا تو اللہ کریم نے فرمایا کہ اب ساری زمین مسجد ہے۔ جعلت لی الارض مسجداً وطھوراً (سنن ابن ماجہ)

اب ساری زمین مسجد بھی ہے۔ گزشتہ امتوں میں پانی کے بغیر وضو نہیں ہوتا تھا۔ فرمایا! اب ساری زمین بھی اس قابل ہے کہ یہ طہور ہے پاک کرنے والی ہے، تیمم کرلو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وضو سے جلد پاک ہوتی ہے اور تیمم سے ہڈیاں اور ان کا گودہ بھی پاک ہو جاتا ہے۔ یعنی زمین کو نہ صرف مسجد بنایا بلکہ پوری زمین کو پاک کرنے والا بھی بنا دیا۔ آپ کسی جگہ، کہیں مٹی پر ہاتھ مار کے تیمم کرلیں تو وجود پاک ہو جائے گا۔ لیکن یہ مسجد اور طہور کا تعلق پھر بعثت عالی سے ہے۔ تمام نعمتوں کا مجموعہ دین متین، بعثتِ عالی سے ملا۔ نمازیں بعثت عالی سے فرض ہوئیں۔ اللہ کی معرفت بعثتِ عالی سے عطا ہوئی۔ تمام اسباب و ذرائع جو اللہ کی طرف لے جاتے ہیں وہ سب بعثت عالی سے نصیب ہوئے۔ دین کی ابتداء بعثت عالی سے ہے، اس کی تکمیل بعثت عالی سے ہے۔ لیکن ہم ولادت شریفہ کی بات کرتے ہیں۔ بعثت کا تذکرہ نہیں کرتے۔ یہ بڑی احتیاط کا متقاضی ہے، بڑا نازک معاملہ ہے کہ حضور ﷺ کا تذکرہ کسی انداز میں کیا جائے، کسی وقت کیا جائے۔ شرط ایک ہے کہ آنحضور ﷺ کے ارشاداتِ عالی کی حدود کے اندر ہو، اُن سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ادب سے کیا جائے، احترام سے کیا جائے کسی وقت، کسی لمحے برکات ہی برکات ہیں یہ

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آیند ابوبکرؓ و عمرؓ اینجا

ابوبکرؓ، عمرؓ، جیسے حضرات دم سادھ کر مجلس عالی میں آتے تھے۔ یہاں دم مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ آواز تو اُونچی کیا ہو، نگاہوں کو بیباک نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں دیدار بھی ہوتا ہے تو جھکی نگاہوں سے اور بند آنکھوں سے۔ بیباکی سے رخ انور پر نگاہ ڈالنا بھی بے ادبی ہے۔ آواز کا بلند ہو جانا سوء ادب ہے اور اس سوء ادب کی سزا قرآن کریم نے بڑی عبرت ناک سنائی ہے کہ اپنی آوازوں کو نبی پاک ﷺ کی آواز مبارک سے بلند نہ کرنا۔ ورنہ تمہاری زندگی بھر کی نیکیاں اکارت چلی جائیں گی...... لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات:2) آپ ﷺ ہمیشہ پیارے اور دھیمے انداز سے ارشاد فرماتے تھے اور آپ ﷺ کا یہ معجزہ تھا کہ آواز بلند نہیں فرماتے تھے لیکن اگر مجمع ہزاروں، کا لاکھوں کا بھی ہو تو آخری آدمی اتنی ہی آواز سن رہا ہوتا تھا جتنا ساتھ بیٹھا ہوا۔ یعنی ہر شخص تک آواز پہنچ جاتی تھی۔ فرمایا! اگر تمہاری آواز بارگاہ رسالتؐ میں بلند ہوگئی تو ساری زندگی بھی اگر نیکیاں بھی کرتے رہے ہو تو ضائع ہو جائیں گی، ضبط ہو جائیں گی، کچھ نہیں ملے گا، کچھ نہیں بچے گا۔ پھر ہم جو یہ سپیکر لگا کر اور بہت بلند آواز سے یا رسول اللہؐ، یا رسول اللہؐ کہتے ہیں، اس کا کیا ہوگا؟ عجیب بات ہے کہ ہمارے ہاں ایک طبقہ یہ بھی کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں جبکہ یہ صفت اللہ کریم کی ہے۔ انبیاءؑ کے مشاہدات وسیع تر ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ کو یہ مشاہدات نصیب ہوتے ہیں ایک پل میں وہ روئے زمین کو دیکھ لیں لیکن وہ اللہ کی مرضی سے ہوتے ہیں۔ کبھی ساری دنیا سامنے ہوتی ہے کبھی اپنا آپ بھی سامنے نہیں ہوتا، کیفیات ہوتی ہیں۔ تو حضور اکرم ﷺ دنیا کا مرکز ہیں، کائنات کا مرکز ہیں۔ ایک بات یاد رکھو! سارا دائرہ مرکز کے گرد گھومتا ہے مرکز اپنی جگہ چھوڑ کر کسی طرف نہیں جاتا اگر مرکز اپنی جگہ چھوڑ دے تو نظام ہی قائم نہیں رہ سکتا۔ حضور ﷺ کی ذات عالی مرکز ہے۔ ساری کائنات حضور ﷺ کے گرد گھومتی ہے، حضور ﷺ اپنی جگہ چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جاتے نہ حضور ﷺ کی شان کو یہ زیبا ہے۔ ہر شے وہاں آپ ﷺ کی قدم بوسی کرتی ہے۔ بہر حال یہ ایک

طبقے کا خیال ہے۔ تو جب آپ ﷺ کو حاضر ناظر مانتے ہیں تو پھر یہ سپیکروں پر شور اور ڈھول باجے، یہ تماشہ، اس کا کیا ہوگا؟ یعنی آپ کے خیال کے مطابق آپ کے جلسے میں، آپ کے جلوس میں حضور ﷺ جلوہ افروز ہیں تو پھر یہ جو اُچھل کود رہے ہو، کیا یہ حضور ﷺ کے سامنے کر رہے ہو۔ یہ جو پٹاخے چل رہے ہیں اور یہ جو شور شرابا ہو رہا ہے یہ آپ ﷺ کے سامنے ہو رہا ہے۔ اذان سے پہلے آپ بلند آواز میں یارسول اللہ، یارسول اللہ کہہ کر کہتے ہو، درود پڑھ رہے ہو تو یہ حضور ﷺ کے سامنے پڑھ رہے ہو۔ تو جو ہستی آپ کے سامنے ہے، اس کے سامنے لاؤڈ سپیکر پر شور مچانا کیسا؟ اور یہ آواز تو بہت بلند ہے پھر تو ساری نیکیاں ضبط ہو جائیں گی۔ کوئی نہیں پوچھتا، اپنی من موج کرتے ہیں اور پھر اس پر یہ زعم بھی ہے کہ بہت بڑی نیکی ہے۔ تو خدا کے لیے نیکی کو ارشادِ عالیؐ میں تلاش کرو، اس کے باہر کوئی نیکی نہیں۔ ساری ہدایت اور سارا حق آپ ﷺ کے ارشادِ عالیؐ کے اندر ہے، باہر نہیں۔ تو ہماری سوچیں اتنی کمزور پڑ گئی ہیں کہ جس طرح پہلے لوگوں نے راستے تلاش کیے۔ شارٹ کٹ تلاش کئے کہ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ (سورۃ التوبہ: 30) یہودی کہنے لگے حضرت عزیر تو اللہ کے بیٹے ہیں، آسان شارٹ کٹ بن گیا۔ بھئی! پتہ نہیں اللہ کہاں ہے وہ ہماری سن بھی رہا ہے کہ نہیں۔ اسی طرح لوگوں کو ایک وہم ہوتا ہے کہ مجھے دعائیں کرتے ایک عرصہ گزر گیا لیکن ہوا تو کچھ بھی نہیں، اگر اللہ کہیں قریب ہوتا تو سن لیتا۔ حق یہ ہے کہ دعا، دعا ہے، عاجزانہ درخواست ہے، دعا کو حکم کا درجہ کیوں دیتے ہو؟ جو بات کہی جائے اور فوراً مانی جائے وہ تو حکم ہوتا ہے، دُعا تو درخواست ہے۔ دنیا میں بھی درخواست دیتے ہیں تو ضروری تو نہیں کہ ہر درخواست قبول ہو جائے کوئی مانی جاتی ہے کوئی ردّ ہو جاتی ہے۔ وہ بارگاہ ایسی ہے کہ وہ ردّ نہیں فرماتے ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ دعا کبھی اللہ کی بارگاہ میں ردّ نہیں ہوتی، مومن کی دعا مقبول ہوتی ہے، کبھی ویسی چیز مل جاتی ہے۔ کبھی دیر بعد ملتی ہے، کبھی اُسے سرمایۂ آخرت بنا دیا جاتا ہے۔ مانگنا بجائے، خود ایک بڑی عظیم سعادت ہے۔ اس لیے کہ بات تو اللہ کریم سے کر رہا ہے یہ توفیق کیا کم ہے۔ یعنی اللہ کریم سے ہم کلام ہونا اور اللہ کا ایک مشت غبار کو یہ توفیق دینا کہ وہ اپنے دکھ سکھ براہ راست اس سے عرض کرے یہ کیا کم ہے! اور مشت غبار تو کبھی تھی، جب تک مشت غبار تھی گناہوں سے پاک تھی، جب اس مشت غبار کا وجود بنا اس میں روح آئی وہ دنیا میں آیا، بالغ ہوا، مکلف ہوا تو تب سے لے کر اب تک تو اس نے گناہوں سے زندگی کو آلودہ کر دیا۔ وہ نری مشت غبار نہ رہی وہ تو لتھڑ گئی۔ غلاظتوں میں، کوتاہیوں میں، غفلتوں میں کس کس طرح کے عیوب اُس پر مسلط ہو گئے۔ اب اس سب کے باوجود کسی نے اُسے اللہ کے روبرو کر دیا۔ کون تھا وہ؟ محمد رسول اللہ ﷺ۔ آپ کی بعثت عالی نے اس لتھڑی ہوئی مشتِ غبار کو اللہ سے شرفِ ہم کلامی بخشا اور اللہ سے ہم کلام کر دیا۔

کردیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تونے

تو دعا کا یہ رتبہ کیا کم ہے کہ ایک گناہ گار، خطا کار، زمین پر بیٹھا اللہ کریم کی ذات سے براہ راست ہم کلام ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نمازی کے آگے سے نہ گزرو اس لیے کہ فانه يناجى ربه او كما قال رسول اللہ ﷺ وہ اپنے رب سے سرگوشیاں کر رہا ہے۔ آہستہ، خاموش زبان میں اپنا حال دل اپنے رب کے سامنے پیش کر رہا ہے، اس میں مخل نہ ہو، اس کے آگے سے نہ گزرو۔ یہ رتبہ، اس مشت غبار کو کس نے دیا۔ بات پھر بعثت عالی پر جاتی ہے۔ کہیں سے کوئی مقام و مرتبہ تلاش کر کے لاؤ۔ دیکھو! بندے کا عقیدہ بھی درست ہو، اس کا عمل بھی درست ہو، اُسے شیخِ کامل بھی نصیب ہو جائے، اُس کی توجہات نصیب ہوں، اس کے ساتھ اللہ اللہ کرے، مجاہدہ کرے تو اُسے درجۂ ولایت نصیب ہوتا ہے کہ اُسے اللہ کا ولی، اللہ کا دوست کہتے ہیں۔ ولایت میں بیشمار مراتب ہیں۔ سپاہی سے شروع ہو کر یہ جرنیل تک جاتے ہیں۔ ایک سپاہی بھی فوجی ہے جو کمانڈر انچیف ہے وہ بھی فوجی ہے تو اسی طرح اولیاء کے مراتب بھی سپاہی سے لے کر جرنیل تک جاتے ہیں۔ اگر یہ سارے انسان جو روئے سر زمین پر ہیں سارے ولی

ہوجائیں اور ولایت کے آخری درجے کو پہنچ جائیں اور ان سے پہلے گزرنے والوں کی بھی ولایت جمع کی جائے ایک مینار بنایا جائے تو وہ تبع تابعینؒ کی خاک پا کو نہیں پہنچتا۔ دنیا بھر کی ولایت سے ایک تبع تابعیؒ افضل ترین ہے۔ تبع تابعی، تابعینؒ کے مرتبے کو نہیں پہنچتا۔ تابعینؒ، صحابیؓ کے مرتبے کو نہیں پہنچتے۔ صحابیؓ کا مرتبہ اُن سے بلند ہے۔ کمال ہے! یہ صحابیؓ کتنے عرصے میں بنتا ہے کتنا مجاہدہ کرتا ہے، کتنی محنت کرتا ہے۔ ایک نگاہ کافی ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی۔ حضور ﷺ کی نگاہ اُس پر پڑ گئی کہ جب اس میں ایمان تھا یا ایمان کے ساتھ اس کی نگاہ حضور ﷺ پر پڑ گئی، وہ کسی نے کہا تھا، ''من سی پارۂ دل می فروشم'' میں دل کے ٹکڑے بیچتا ہوں خرید لو جیسے چھابڑی والے، ریڑھی والے آواز لگاتے ہیں، اس نے بھی آواز لگائی، ''من سی پارۂ دل می فروشم'' میں دل کے ٹکڑے بیچ رہا ہوں ''بگفتا قیمتش، گفتم نگاہے'' کسی نے پوچھا، بھئی قیمت کیا لوگے؟ بیچ تو رہے ہو۔ کیا دینا پڑے گا؟ تو اس نے کہا 'نگاہے' ایک نگاہ یعنی دل کی قیمت ایک نگاہ ہے۔ تو خریدنے والے نے کہا ''بگفتا کم ترش'' بھئی کوئی رعایت کرو مانگی قیمت تو نہیں ملتی ''گفتم کہ گاہے''، کہا زندگی میں اک نگاہ سہی، قیمت کم کرنی ہے تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ روزانہ، زندگی میں اِک نگاہ سہی۔ یہ ایک نگاہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بندے کو فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا گئی اور عام آدمی کو صحابیؓ بنا گئی، شرفِ صحابیتؓ سے نواز گئی۔ لیکن اتنے بڑے انعام کا رشتہ بعثتِ عالی سے جڑتا ہے، قبل بعثت جتنے لوگوں نے دیکھا کیا وہ صحابی بنے؟

تو ہم بعثت عالی کی بات کیوں نہیں کرتے ہم اس لیے نہیں کرتے کہ بعثت عالی کی بات کرتے ہیں تو دینِ حق سامنے آجاتا ہے ارشاداتِ نبوت ﷺ سامنے آجاتے ہیں، اعمال نبوت ﷺ سامنے آجاتے ہیں پھر ہمیں اپنے آپ کو اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں محدود کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ہم ولادت کی بات کرتے ہیں کہ اس میں تو نہ آپ ﷺ کا کوئی ارشاد ہے نہ وعظ ہے، نہ کوئی شرعی تکلیف ہے نہ کوئی ایمان کی بات ہے نہ عمل کی۔ وہ تو محض برکات ہیں جو مومن، کافر سب کو مل رہی ہیں۔ تو کافر کو بھی زندگی تو مل رہی ہے، وجود تو مل رہا ہے، اولاد تو مل رہی ہے رزق تو مل رہا ہے، عہدے، رتبے، مرتبے مل رہے ہیں یہ ساری باتیں انعامات ہیں یہ رحمت العالمین کے صدقے کائنات پر ہیں۔ اور جس دن کوئی حضور ﷺ پر ایمان ویقین رکھنے والا نہ رہا وہ دن تو قیامت کا ہوگا۔ تو کائنات کی حیات ہی نورِ ایمان سے ہے۔ تو جہاں سے ہم چلتے ہیں جو پہلو برکات کا دیکھتے ہیں، جہاں سے بات چلتی ہے وہ آکر بعثتِ عالی ﷺ پر رکتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ اللہ کا پیغام پہنچانے تشریف لائے، ہر بڑی خوبیوں کی حامل، بڑی خوبصورت، لذتوں سے بھری، حسن وجمال سے بھری دنیا اس قابل نہ تھی کہ محمد رسول ﷺ یہاں قدم رنجہ فرماتے۔ حضور ﷺ میدانِ عرفات میں تھے آیہ کریمہ نازل ہوئی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ (المائدہ:3) آج کے دن میں نے تم پر تمام اپنی نعمتیں کردیں۔ جتنے انعامات، کوئی مخلوق اپنے خالق سے لے سکتی تھی وہ میں نے آج آپ ﷺ پر مکمل کردیے وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ (المائدہ:3) تمہارا دین مکمل ہوگیا اب اس کوئی کمی بیشی قیامت تک نہیں ہوگی۔ اپنی نعمتیں تمام کردیں اور دینِ اسلام کو تمہارے لیے قبول فرمالیا، پسند فرمالیا، میں اس پر راضی ہوا۔ صحابہ کرامؓ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ الحمد للہ دین مکمل ہوگیا۔ ہماری زندگی میں مکمل ہوگیا ہمیں پورے دین پر عمل کی توفیق ارزاں ہوگی۔ اَب سب کے علم میں تھا کہ رازدارِ نبوت ﷺ، حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں تو سب نے تلاش کیا کہ انہیں مبارک دیں کہ دین مکمل ہوگیا، ایک خوشی تھی ہر چہرے پر۔ آپؓ کو تلاش کیا تو اپنے خیمے میں بیٹھے زاروقطار رو رہے تھے۔ انہوں نے کہا آپؓ رو رہے ہیں خوشی کا موقع ہے دین مکمل ہوگیا، اللہ کی نعمتیں مکمل ہوگئیں تو انہوں نے فرمایا میں رو اس لیے رہا ہوں کہ اس دین کی تکمیل کے لئے حضور ﷺ تشریف لائے تھے ورنہ یہ دنیا اس قابل نہ تھی اور اگر دین مکمل ہوگیا تو اس کا مطلب ہے حضور ﷺ

اس دنیا سے پردہ فرما جائیں گے۔ انہوں نے سب کو جو خوشیاں لے کر آئے تھے رُلا دیا، حضور ﷺ کا یہاں تشریف لانا اس دین کی ترویج کے لئے تھا جب دین مکمل ہو گیا جب حضور ﷺ نے پہنچا دیا تو پھر یہ دنیا اس قابل نہیں ہے کہ یہاں محمد رسول اللہ ﷺ تشریف رکھیں۔ اور پھر وہی ہوا۔ اسی، بیاسی (80,82) دن کے بعد حضور ﷺ پردہ فرما گئے۔ تو حضور ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد روئے زمین پر بسنے والے انسانوں تک اللہ کا دین پہنچانا تھا۔ جب یہ فریضہ مکمل ہوا، حضور ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس دین کی کتنی پاس داری کر رہے ہیں؟ جب بات بعثت عالی کی ہوتی ہے تو دین سامنے آجاتا ہے، احکام سامنے آجاتے ہیں۔ اوامر سامنے آجاتے ہیں نواہی سامنے آجاتے ہیں۔ یہ کرنا ہے یہ نہیں کرنا، اس طرح کھانا ہے، اس طرح کمانا ہے، یوں جینا ہے یوں مرنا ہے۔ میرا خیال ہے ہم یہ ذمہ داریاں نہیں لینا چاہتے ہیں اسی لیے ہم بات ولادت کی کرتے ہیں اسی لیے بعثت کی نہیں کرتے۔ ہمارے تحت الشعور میں یہ بات ہے کہ وہاں نہ جانا، وہاں ذمہ داریاں گلے پڑیں گی۔ ولادت باسعادت پر کوئی تکلیف شرعی نہیں ہے، کوئی ذمہ داری نہیں ہے، کوئی حرام حلال کی بات نہیں ہے یہ آسان، آسان کام ہے یہی ٹھیک ہے۔

حضور ﷺ تشریف لائے، بعثت ہوئی اور بعثت عالی ہی وہ نقطہ ہے جو بندوں کو اللہ سے ہم سخن کر دیتا ہے۔ جس نے اس مشتِ غبار کو تمام آلودگیوں کے باوجود وہ مرتبہ اور وہ مقام بخشا کر۔

کردیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے

ایک عام آدمی کو جس کی کوئی نہیں سنتا، جس کی اولاد نہیں سنتی، جس میاں کی بات بیوی نہیں سنتی، اس کا کوئی ماں باپ نہیں رہا، بوڑھا، ضعیف ہے جس کی سنتا کوئی نہیں، وہ آرام سے آتا ہے، وضو کرتا ہے، ... ... براہ راست رب سے ہم کلام ہو جاتا ہے سُبْحٰنَكَ اللّٰھُمَّ اے اللہ! تو پاک ہے۔ بندہ کہاں جا پہنچا! جس کی گھر میں کسی نے نہیں سنی، گلی میں کسی نے نہیں سنی، شہر میں کسی نے نہیں سنی، اولاد تک بات نہیں سنتی۔ محمد رسول ﷺ نے اسے بھی وہ رتبہ دے دیا کہ ایمان لے آیا تو وہ بھی براہ راست سُبْحٰنَكَ اللّٰھُمَّ سے شروع کرتا ہے۔ اے اللہ تو پاک ہے۔ کس نے دلوں کو یہ روشنی دی اور یہ جرأتِ بے باکانہ دی ہماری خرد کو بھی، ہمارے حواس کو بھی، ہمارے احوال و کیفیات کو بھی اور ہمارے دل کو بھی کہ ایک دم سے کھڑا ہوتے ہی کہتا ہے اللہ اکبر۔ اب اس اللہ اکبر میں بھی اگر کچھ ملانے لگ جائیں اور سمجھیں کہ اللہ میرے کہنے سے تو نہیں سنے گا میں فلاں کو پکارتا ہوں، وہ فلاں اُسے پکارے گا تو وہ سنے گا، تو پھر کیا یہ دین ہوگا؟ یہ تو الٹا بلندیوں سے پستیوں کی طرف سفر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اولادِ آدم کو پستیوں سے بلندیوں کی طرف پہنچایا اور یہ ہماری بد عقلی، بد نصیبی، بد عملی کا شاہکار کہ ہم بلندیوں سے پستیوں کی طرف چل پڑے۔ پھر اسے دین کہتے ہیں۔ لیکن یہ سوال کہ بلندی کیا ہے پستی کیا ہے اس کا تعلق بعثت عالی ﷺ سے ہے۔ اس لیے ہم بعثت عالی کی بات ہی نہیں کرتے، ہم ولادت کی بات کرتے ہیں، ڈھول باجے، تماشہ، شور شرابہ، چھینا جھپٹی! الا اللہ۔

جب وصالِ نبوی ﷺ ہوا تو خبر شہر میں پہنچی۔ کچھ لوگ جو بیٹھے تھے انہوں نے آنحضور ﷺ کے وصال کی خبر سنی تو وہیں منجمد ہو گئے، ساری زندگی پھر اُٹھ نہ سکے۔ کچھ ایسے تھے کہ وہ کھڑے تھے وہ وہیں منجمد ہو گئے کہ پھر وہ بیٹھ نہ سکے۔ اور صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں ہمیں سورج نظر نہیں آتا تھا، دن تھا لیکن ہم رات تصور کر رہے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھو! جنہیں قید کر کے اہل مکہ کے ہاں فروخت کر دیا گیا اور جنہیں اہل مکہ نے بڑی تکلیف دے کر شہید کیا۔ تو ان سے وقت شہادت ... ... پوچھا گیا ... تمہارا خیال ہوگا کہ تم نے غلطی کی اور محمد رسول ﷺ کا اتباع کر کے تم پھنس گئے اور بری طرح قتل کیے جاؤ گے تو اب تو تم سوچتے ہو گے کہ میں بچ جاتا اور خود محمد رسول ﷺ یہاں ہوتے تو انہوں نے فرمایا! نعوذ باللہ! میں ہزاروں بار قتل کیا جاؤں تو میں اس بات پہ خوش ہوں کہ میرے نبی ﷺ کے پاؤں میں کانٹا بھی نہ چبھے۔ سولی پہ

لٹکانے لگے تو فرمانے لگے! اے ہوا! اللہ کی مخلوق ہے تو! میرا سلام میرے نبی ﷺ کو پہنچا دینا۔ حضور ﷺ مدینہ منورہ میں وضو فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خادم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کس کا سلام تھا فرمایا! خبیب ؓ نے ہوا کو پیغام دیا تھا اس کا سلام ہے۔ وہ عاشقان رسول ﷺ یہ طریقہ کرتے تھے جو ہم کرتے ہیں؟ اگر یہ تقاضائے محبت ہے کیا وہ، یہ سب کچھ کرتے تھے جن کو محبت تھی؟ ہم تو محبت کی ایکٹنگ کررہے ہیں۔ یہ ساری قوم کو جس پہ لگا دیا ہے، سارے ذرائع وابلاغ، اخبار، ٹی وی جس پر لگ گئے ہیں یہ طریقہ ان عاشقان رسالت پناہی ﷺ کو کرنا چاہیے تھا جن کی آنکھوں میں وہ نور بستا تھا۔ جنہوں نے رخ انور کو دیکھا تھا۔ انہوں نے تو نہیں کیا، وہ تو عبادت پہ زور دیتے تھے نوافل بڑھا دیتے، سجدے بڑھا دیتے، تلاوت بڑھا دیتے تھے اور با ادب ہو جاتے تھے۔ دم سادھ لیتے تھے۔ یہ ہم کون ہیں جنہیں پاکی پلیدی کا احساس نہیں، حرام حلال کا احساس نہیں، جائز ناجائز کا احساس نہیں۔ شہروں کے شہر ہم بند کرا دیتے ہیں، سڑکیں بند کرا دیتے ہیں، بیمار راستے میں مرجائے، سڑک پر جلوس ہے، سڑکیں بند ہیں۔ یہ دین ہے یا دین کے ساتھ مذاق ہے کیا عجیب قسمت ہے ہماری کہ جو مصدرِ ہدایت ہے نبی ﷺ! ہم اُس کے نام پہ گمراہ ہورہے ہیں۔ کبھی ہم نے سوچا کہ یہ آب حیات ہے ہم یہاں آکر موت کا شکار ہورہے ہیں۔ یہ ہمارا کیا کردار ہے ہم کیا کررہے ہیں؟ یہ مقام یہ نقطہ، یہ نام، یہ تو آب حیات ہے۔

خضرؑ کا واقعہ گزرا میں نے عرض کیا! کہ یہ ولی اللہ ہیں۔ بعداز وصال ان کی روح ملاء اعلیٰ میں شامل ہوگئی اور جس طرح فرشتوں سے کام لیا جاتا ہے اس طرح ان کی بھی ذمہ داریاں لگ گئیں۔ یہ کس نے ایک بشر کو ملاء اعلیٰ میں شامل کردیا؟ یہ کون تھا جس کی غلامی نے شہنشاہیت سے بڑھ کر نعمتیں عطا کردیں۔ یہ ساری برکات محمد رسول اللہ ﷺ کی ہیں۔ تو یہ عظمتیں لوگوں نے اطاعت سے پائیں، نافرمانی سے نہیں۔ آب حیات کیا ہے، چشمہ حیات کون ہے؟ محمد رسول اللہ ﷺ جہاں موت شکست کھا جاتی ہے۔ جس کی غلامی میں کوئی مرجائے تو رب العالمین کہتا ہے اسے مردہ نہ کہو یہ زندہ ہے۔ ایسا سوچو بھی نہیں۔ سوچوں پہ پابندی لگا دیتا ہے۔ فرمایا وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا (آل عمران:169)۔

جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کے بارے سوچو بھی نہیں کہ یہ مرگئے بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران:169) کھاتے پیتے زندہ ہیں اللہ کے نزدیک، اور ہم کیسے لوگ ہیں کیا یہ کبھی ہم نے بیٹھ کے سوچا کہ اس آب حیات سے ہم کیا زندگی پا رہے ہیں یا چشمہ حیات پر پہنچ کر بدنصیب مر رہے ہیں۔

یہ ساری نعمتیں آپ جہاں سے لیں، جس نعمت کا تذکرہ کریں، قرب الٰہی کی بات کریں، وصول الٰہی کی بات کریں، جنت کے حصول کی بات کریں، دوزخ سے رہائی کی بات کریں، قیامت کی مشکلات سے بچنے اور عرش عظیم کے زیر سایہ ہونے کی بات کریں، جہاں سے چلیں گے بات بعثت محمد رسول اللہ ﷺ تک پہنچے گی۔ یہی وہ نقطہ آغاز ہے جس نے کائنات میں عظمتیں اور نعمتیں تقسیم کیں۔ ہم کیسے عجیب لوگ ہیں کہ ہم اُسی کو بھول گئے۔ ہم بھول نہیں گئے بلکہ جان بوجھ کر اس سے پہلو بچا کر گزر جاتے ہیں۔ تو میرے بھائی تو یہ رسم نہیں ہے کہ ربیع الاول منایا جائے۔ یہ ہمیں پھر سے یاد دلاتا ہے، پھر سے جھنجھوڑتا ہے کہ کیا کر رہے ہو؟ اٹھو! بارگاہ عالی میں پہنچو۔ کہاں جارہے ہو؟ رکو! سفر اس طرف کو کرو۔ کیا سوچ رہے ہو؟ اپنی سوچوں کو تابع کرو محمد رسول ﷺ کے۔ کر کیا رہے ہو؟ اپنے اعمال وکردار کو محمد رسول ﷺ کے تابع کردو۔ ہر سال یہ مہینہ آکر ہمیں اس کام کے لیے جھنجوڑتا ہے، یاد دلاتا ہے اور ہم اس قدر عجیب قوم ہیں کہ اس میں ہنگامہ خیزی اور شور شرابہ کرتے ہیں۔ اس سے بڑا بدنصیب کون ہوگا جو آب حیات پر جا کر مرے یہ تو چشمۂ آب حیات ہے۔

اللہ کریم ہمیں صحیح سمجھ بھی عطا کرے، شعور عطا فرمائے، بطفیل محمد رسول ﷺ ہمارے گناہ معاف فرمائے، ہمیں آپ ﷺ کی غلامی کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں قبول فرمائے، ہمیں ردنہ فرمائے (آمین)۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک

سورۃ کہف

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

مثال صحو بعد سکر

قولہ تعالیٰ: ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ الکھف:12

ترجمہ: پھر ہم نے ان کو اٹھایا

"یہ اشارہ ہے صحو بعد السکر اور جلوت بعد خلوت کی طرف"

فرماتے ہیں سلوک وتصوف میں یہ اشارہ ہے سکر سے صحو کی طرف۔ کثرت ذکر اور کثرت مراقبات سے جو مدہوشی جس سے استغراق آجاتا ہے تو بندے کو سوائے اس کیفیت کے کچھ یاد نہیں رہتا۔ اور پھر اللہ کریم اسے واپس لے آتے ہیں جیسے نیند کھل جاتی ہے۔ اسی طرح سکر ختم ہو جاتا ہے انسان ہوش میں آجاتا ہے۔ وہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔

عزلت کا شرط وصول ہونا

قولہ تعالیٰ: فَأْوٗا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ الکھف:16

ترجمہ: تو تم غار میں چل کر پناہ لو تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دے گا۔

"یعنی اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی رحمت ومنفعت یعنی معرفت وتجلیات کو ظاہر اور مہیا فرما دے گا۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ غیر اللہ سے عزلت اور خلوت وصل حق کا موجب ہے بلکہ بدون عزلت کے وصل نہیں ہوتا۔

مولانا فرماتے ہیں اس میں صوفی سالک اور سلوک کا اشارہ اس طرف ہے یعنی اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کرو۔ حضور حق چاہیے تو ضروری ہے کہ گھر کی مصروفیات میں سے کچھ وقت ایسا نکالیں کہ صرف آپ ہوں اور آپ کا محبوب ہو۔ صرف بندہ ہو اور رب العالمین کی یاد ہو۔ چوبیس گھنٹوں میں چوبیس منٹ سہی لیکن کچھ وقت تو ایسا نکالا جائے کہ خلوت خانہ ہو، روشنیاں بند کر دی جائیں، کسی قسم کی آواز نہ ہو، آوازیں بند کر دی جائیں اور سکون سے بیٹھ کر دل سے اللہ کا ذکر کرے یعنی بندہ ہو اور اس کا محبوب ہو اس کا مالک ہو اس کا رب ہو۔ تو فرماتے ہیں، اس میں اس طرف اشارہ ہے سالکین کے لیے جیسے ان کا ایک ساتھی باقیوں سے کہہ رہا ہے کہ غار میں پناہ لے لو غار میں چھپ جاؤ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ جب قوم سے کٹ جاؤ گے باہر کی دنیا سے کٹ جاؤ گے غار کی تاریکی میں سکون سے بیٹھ جاؤ گے تو تم اپنے پروردگار کی رحمت کو پالو گے يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ اللہ اپنی رحمت تم پر نچھاور کر دے گا۔ فرماتے ہیں سلوک میں یہ مراقبے کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا سے کٹ کر، الگ ہو کر، اس ایک جگہ پناہ لے کر، بتیاں بجھا کر، آواز بند کر کے متوجہ الی اللہ ہو کر بیٹھیں یہ رحمت الٰہی کو پانے کا ذریعہ ہے۔ یعنی اپنے محبوب سے خلوت کرو اللہ تمہارے لیے اپنی رحمت منفعت ومعرفت اور تجلیات کو ظاہر اور مہیا فرما دے گا اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ غیر اللہ سے عزلت وخلوت وصل حق کا موجب ہے بلکہ بدون عزلت کے وصل نہیں ہوتا۔ یعنی بعض

نے یہ کہا ہے کہ غیر اللہ سے جب تک بندہ کٹ نہ جائے وصال الٰہی کی لذت اسے محسوس نہیں ہوتی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنے سارے اوقات میں دنیا سے الگ ہو جائے مطلب یہ ہے کہ اپنے ہر روز کے اوقات میں سے کچھ وقت اس طرف بھی لگاؤ تو تمہیں ایک ایسی طاقت مل جائے گی ایسی کیفیت مل جائے گی کہ دنیا کے کام بھی جب کر رہے ہو گے تو اللہ کی عظمت دل میں جاگزیں ہو گی اور وہاں پر نافرمانی نہیں کرو گے اللہ کے حکم کے مطابق اطاعت کرو گے اور وہ مزید اجر و ثواب کا سبب ہو گا۔

بیت الخلوۃ میں روشنی کم ہونا

قولہ تعالیٰ: وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ الکھف:17

ترجمہ: اور اے مخاطب جب دھوپ نکلتی ہے تو، تو اس کو دیکھے گا کہ وہ داہنی جانب کو بچی رہتی ہے اور جب وہ چھپتی ہے تو بائیں طرف ہٹی رہتی ہے۔

"اس کی حکمت یہ ہے کہ غار میں روشنی زیادہ نہ ہو کہ اس سے حضور (وجمعیت قلب) میں خلل پڑتا ہے کیونکہ ظلمت سے فکر اور جمع حواس میں اعانت ہوتی ہے۔ اس لیے اہل خلوت کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی خلوت کے لیے ایسا مکان تجویز کرتے ہیں جس میں روشنی کم ہو اور باوجود اس کے بھی مراقبہ کے وقت آنکھوں کو بند کر لیتے ہیں۔"

یعنی اصحاب کہف کے بارے آ رہا ہے کہ سورج نکلتا ہے تو بھی ایک طرف سے ہو کر گزر جاتا ہے اور غروب ہوتا ہے تو دوسری طرف شعاعیں پڑتی ہیں، غار میں سورج کی شعاع داخل نہیں ہوتی۔ فرماتے ہیں اس کی حکمت یہ ہے کہ غار میں روشنی زیادہ نہ ہو کہ اس سے حضور وجمعیت قلب میں خلل پڑتا۔ یعنی اللہ کریم نے جہاں ان پر اپنے انوارات و تجلیات نچھاور فرمائے وہاں ایسی استغراقی کیفیت بھیج دی کہ تین سو سال انہیں پتہ ہی نہیں چلا وہاں ظاہری اسباب پر بھی رب کریم نے توجہ فرمائی اور وہاں سورج کو ایسے زاویوں پر چلنے کا حکم دے دیا کہ طلوع و غروب کے وقت یا دوپہر کے وقت بھی غار میں اس کی کرنیں نہ جائیں انہیں پریشان کرنے کا سبب نہ بنیں۔ اور فرماتے ہیں پھر اس سے حضور و جمعیت قلب میں خلل پڑتا ہے کیونکہ ظلمت سے فکر اور جمع حواس میں اعانت ہوتی ہے اسی لیے اہل خلوت کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنی خلوت کے لیے ایسا مکان تجویز کرنے میں جس میں روشنی کم ہو اور باوجود اس کے بھی مراقبہ کے وقت آنکھوں کو بند کر لیتے ہیں۔ فرمایا سالکین کا آپ نے رویہ دیکھا کہ پہلے تو جگہ یا مکان یا کمرہ ایسا تلاش کرتے ہیں جہاں باہر سے بھی روشنی نہ آتی ہو آوازیں نہ آتی ہوں اور روشنیاں بجھا دیتے ہیں اور جب کمرہ بھی تاریک ہے آوازیں بھی نہیں آ رہیں پھر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ خلوت و تنہائی کا پورا اہتمام کرتے ہیں۔ یعنی جتنی خلوت جتنی تنہائی ہو گی اتنا متوجہ الی اللہ ہونا نصیب ہو گا، اتنی رحمت باری نصیب ہو گی۔ تو جس طرح قدرت باری نے بھی دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے اللہ کریم نے خود اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں تو جتنے امور من جانب اللہ دنیا میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اللہ ان کے بھی اسباب پیدا فرماتے ہیں اور اس سبب کے نتیجے میں وہ کام ہوتا ہے۔ جیسے عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا فرما دیا لیکن سبب نہیں چھوڑا جبرائیل امین کو حکم دیا کہ جا کر مائی صاحبہ کو دم کریں بھلا اس تکلف کی کیا ضرورت تھی لیکن چونکہ دنیا عالم اسباب ہے، اسباب اختیار کرنے کا حکم بھی دیا ہے تو اپنے حکم کی خلاف ورزی خود بھی نہیں فرماتا۔ دنیا میں جو کام ہوتا ہے اس کا سبب پیدا فرما دیتا ہے۔ تو سالک کو بھی مراقبے کے لیے اہتمام کرنا چاہیے کہ کمرہ الگ تھلگ ہو، اس میں شور نہ ہو، آوازیں نہ آئیں، روشنی نہ آئے اور اس تاریکی کے باوجود پھر آنکھیں بند کر لے اور پھر متوجہ الی اللہ ہو کر فائدہ حاصل کرے۔

عدم امکان ارشاد ھنگام عدم استعداد

قولہ تعالیٰ: مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا الکھف: 17

ترجمہ: جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دیں تو آپ اس کے لیے کوئی مددگار راہ بتلانے والا نہ پاویں گے۔

"وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کو مخذول کیا ہے جو حاصل ہے اضلال کا تو صرف اس لیے کہ اس کی استعداد صالح نہ تھی اور جس میں استعداد صالح نہ ہو ظاہر ہے کہ اس کی رہبری سخت دشوار بلکہ عادۃً ممتنع ہے۔"

جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے۔ وہ جن کو گمراہ کر دیں تو آپ اس کے لیے کوئی مددگار، راہ بتانے والا نہ پائیں گے۔ اس پر ہمارے روشن خیالوں کو بڑا اعتراض ہوتا ہے۔ جتنے لوگ عظمت الٰہی سے بغاوت کرتے ہیں، جتنے لوگ دین سے بغاوت کرتے ہیں اور جتنے لوگ بے حیائی کے کاموں میں زیادہ آگے ہیں انہیں آج کل روشن خیال کہا جاتا ہے۔ ان روشن خیالوں کو یہ اعتراض ہے کہ جب ہدایت اللہ کے پاس ہے جسے وہ نہ دے اسے کوئی دے نہیں سکتا تو پھر اس میں کسی کا کیا قصور؟ کسی بھی مضمون، کسی بھی تقریر، کسی بھی کتاب سے آپ ایک جملہ نکال لیں اور اس کا سیاق وسباق ترک کر دیں تو وہ جملہ آپ جہاں چاہیں موڑ لیں۔ یہ بھی قرآن کریم کا ایک مبارک جملہ ہے لیکن اس کے پیچھے وہ حقیقت ہے جو اللہ نے بتائی ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (سورۃ الدھر: 3) ہم نے انسان کے سامنے دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں اب انتخاب اس کا ہے کہ وہ شکر کی راہ اختیار کرتا ہے یا ناشکری کا راستہ اختیار کرتا ہے تو جب انسان اپنی پسند سے ناشکری کا راستہ اختیار کرتا ہے پھر بھی رحمت باری ایک خاص وقت تک اسے مہلت دیتی ہے کہ اگر توبہ کر لے تو اسے معاف کر دیا جائے لیکن ایک حد ہے جس سے آگے گزر جائے تو پھر مہر کر دی جاتی ہے پھر توبہ کی توفیق بھی سلب ہو جاتی ہے تو اللہ کریم جس کو گمراہ کرتے ہیں تو اس کی گمراہی کا سبب اس کا اپنا گمراہی کو اختیار کرنے کا عمل ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ بندہ اللہ کریم سے توبہ کرے، اللہ کی اطاعت کرے اور اللہ اسے گمراہ کر دیں۔ نہیں، ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ بندے کا اپنا انتخاب ہوتا ہے اس کا اپنا کردار ہوتا ہے اور حضرت نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ اللہ نے جو اس کو مخذول کیا، رسوا کیا جو حاصل اضلال کا ہے یعنی جو نتیجہ گمراہی کا ہے اس نے گمراہی اپنی پسند سے اختیار کی پھر بھی فوراً گرفت نہیں کی جاتی پھر بھی اللہ ایک وقت تک اسے مہلت دیتے ہیں لیکن جب اس کی گمراہی ایک حد سے بڑھ جاتی ہے پھر سیاہی چھا جاتی ہے۔ جس کی تفسیر نبی کریم ﷺ نے یوں فرمائی کہ ہر گناہ دل پر ایک سیاہ نقطہ بنا دیتا ہے جو توبہ سے تو دھل جاتا ہے لیکن جو بندہ توبہ نہیں کرتا اور گناہ مزید کرتا چلا جاتا ہے تو وہ نقطے اور بڑھتے چلے جاتے ہیں اور رحمت باری تب تک انتظار فرماتی ہے جب تک وہ سارے قلب کو سیاہ نہیں کر دیتا۔ کوئی ایک نقطے کی جگہ بھی جب سفید نہیں رہ جاتی سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے تو پھر غضب الٰہی حرکت میں آتا ہے اور اس پر مہر کر دیتا ہے اب اس کے لیے کوئی ولی، کوئی مرشد، کوئی دوست، کوئی رہنما دنیا میں نہیں ہے جو اسے ہدایت دے سکے۔

مثال خلوت در انجمن

قولہ تعالیٰ: وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ الکھف: 18

ترجمہ: اور اے مخاطب تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرتا ہے حالانکہ وہ سوتے تھے۔

"یہ مثال ہے ان لوگوں کی جو اجسام سے خلق کے ساتھ ہیں اور قلوب سے حق تعالیٰ کے ساتھ جس کو خلوت در انجمن کہتے

ہیں۔ نیز اس میں مثال ہے ان لوگوں کی تسلیم و فنا ء کی طرف کہ جیسے مردہ ہوتا ہے غسال کے ہاتھ میں"

اصحاب کہف کے بارے ہے کہ اے مخاطب اگر تو انہیں دیکھے تو سمجھے جاگ رہے ہیں لیکن وہ سو رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ مزے سے سو رہے ہیں اور تو سمجھے گا کہ جاگ رہے ہیں تو فرمایا یہ مثال ان لوگوں کی ہے جو اجسام سے مخلوق کے ساتھ ہیں اور خلوص دل سے حق تعالیٰ کے ساتھ ہیں جس کو خلوت در انجمن کہتے ہیں۔ یعنی یہ ان اللہ کے بندوں کی مثال ہے جو بظاہر لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں، دنیا کے کام بھی کرتے ہیں، باتیں بھی سنتے ہیں، جواب بھی دیتے ہیں لیکن کسی لمحے میں ان کا قلب معیت باری اور یاد الٰہی سے خالی نہیں ہوتا۔ یعنی بظاہر دیکھنے والا انہیں دنیا دار پاتا ہے لیکن درحقیقت ہمہ وقت وہ حصول حق میں محو ہوتے ہیں تو کسی کے ظاہری حالات سے اس کی حقیقت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ لوگ رائے قائم کرنے میں جلد بازی کر جاتے ہیں اور اسی لیے محروم رہتے ہیں کہ فوراً ایک ظاہری حالت دیکھ کر فتویٰ دے دیتے ہیں کہ یہ بندہ اچھا نہیں ہے۔ حالانکہ وہ لوگ جنہیں واقعی وصول حق نصیب ہوتا ہے انہیں پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک فارسی کا محاورہ ہے

کہ چوں بہ منزل می رسد سوار پیدا می شود

یعنی کوئی گھوڑے پر بیٹھ کر سفر پر روانہ ہوتا ہے، چلتا رہتا ہے لیکن جب منزل پر پہنچ جاتا ہے تو وہ گھوڑے سے اتر جاتا ہے پیدل ہو جاتا ہے، عام لوگوں کی طرح ہو جاتا ہے پھر پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ کون تھا۔ جس طرح باقی لوگ ہیں وہ بھی ایسے ہو جاتا ہے۔ جب تک گھوڑے پر ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سوار ہے اور مسافر ہے تو فرماتے ہیں سالکین کا حال بھی یہ ہوتا ہے کہ جو اثنائے راہ میں ہوتے ہیں ان کا حال کچھ اور ہوتا ہے وہ ذرا بہکے بہکے ذرا زیادہ متوجہ الی اللہ اور کم توجہ الی الخلق ہوتے ہیں۔ ان کا پتہ چلتا ہے لیکن جو منزل رسیدہ ہوتے ہیں انہیں پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ آدمی بظاہر انہیں مصروف دیکھتا ہے لیکن بباطن وہ اللہ کی طرف مصروف ہوتے ہیں۔ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ تم انہیں جاگتا ہوا دیکھو گے لیکن وہ سوئے ہیں، بے خبر ہیں فرمایا یہ مثال ان لوگوں کی ہے جو اجسام سے خلق کے ساتھ ہیں، قلوب سے حق تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔ یہ کاملین کی مثال ہے اور اسے خلوت در انجمن کہتے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں خلوت در انجمن بہت سے لوگوں میں بیٹھنا گویا اکیلے بیٹھنا ہے۔ یعنی ان لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے قلبی کیفیات ایسی ہوں جیسا اکیلا بیٹھا ذکر کر رہا ہے، اللہ کو یاد کر رہا ہے، تجلیات باری نصیب ہو رہی ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

ضرورت سٹاف

مفسر قرآن الشیخ امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کی پنجابی تفسیر کو تحریر کرنے کے لیے ایک کارکن کی ضرورت ہے، جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے مرکز دارالعرفان، منارہ، ضلع چکوال میں بیٹھ کر کام کرے اور اگر چاہے تو اپنے گھر پر بھی یہ کام سرانجام دے سکتا ہے۔

خواہش مند حضرات مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں۔

ڈاکٹر نصیر صاحب، انچارج شعبہ نشر و اشاعت: 0313-7569315

خواجہ طارق صاحب: 0345-5770995, 0543-562200

ضرورت رشتہ

لڑکی عمر 25 سال، جنرل نرس پرائیویٹ جاب

لڑکی عمر 21 سال، عالمہ فاضلہ کے لیے سلسلہ عالیہ سے رشتہ درکار ہے۔ راولپنڈی اور اُس کے قرب و جوار کے لوگوں کو ترجیح دی جائے گی۔

مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں۔

0345-2915060, 0344-5363918

0333-5937239

اکرم التفاسیر

سورۃ المریم: 1 تا 15

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی
حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ
الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O
کٓھٰیٰعٓصٓ ﴿1﴾ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا ﴿2﴾
کٓھٰیٰعٓصٓ۔ یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی مہربانی فرمانے کا اپنے بندے زکریا (علیہ السلام)
اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ﴿3﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ
پر۔ جب انہوں اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا۔ انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار بے
مِنِّیْ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّ لَمْ اَکُنْۢ بِدُعَآئِکَ
شک میری ہڈیاں (بڑھاپے کی وجہ سے) کمزور ہوگئی ہیں اور بڑھاپے کا شعلہ سر سے جا لگا ہے اور
رَبِّ شَقِیًّا ﴿4﴾ وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ
اے میرے پروردگار میں آپ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔ اور یقیناً میں اپنے بعد اپنے
وَ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ﴿5﴾
رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے پس آپ مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمایئے
یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَ اجْعَلْهُ رَبِّ
جو میری اور یعقوب (علیہ السلام) کی میراث کا مالک بنے اور اے میرے پروردگار اس کو (اپنا)
رَضِیًّا ﴿6﴾ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِۣ اسْمُهٗ
پسندیدہ (بندہ) بنایئے۔ اے زکریا (علیہ السلام)! بے شک ہم آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے
یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ﴿7﴾ قَالَ رَبِّ
ہیں جس کا نام یحییٰ (علیہ السلام) ہے، اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں فرمایا۔
اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا
انہوں نے عرض کیا، اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا اور میری بیوی بانجھ ہے اور
وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ﴿8﴾ قَالَ کَذٰلِکَ
میں بڑھاپے کی اس انتہا کو پہنچ گیا ہوں۔ فرمایا کہ اسی طرح (ہوگا) آپ کے پروردگار نے فرمایا کہ
قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ
یہ میرے لیے (بہت) آسان ہے اور میں پہلے آپ کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور آپ کچھ بھی نہ
وَ لَمْ تَکُ شَیْـًٔا ﴿9﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً
تھے۔ عرض کیا اے میرے پروردگار! میرے لیے نشانی مقرر فرما دیجیے۔ فرمایا آپ کی نشانی یہ ہے
قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴿10﴾
کہ آپ تین رات تک تندرست ہوتے ہوئے بھی لوگوں سے بات نہ کر سکیں گے۔ پھر وہ (عبادت
فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ
کے) حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو ان کو اشاروں میں فرمایا کہ تم لوگ صبح و شام
اَنْ سَبِّحُوْا بُکْرَةً وَّ عَشِیًّا ﴿11﴾ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ
(علی الدوام اپنے پروردگار کی) پاکی بیان کیا کرو۔ اے یحییٰ (علیہ السلام! ہماری) کتاب کو قوت سے
بِقُوَّةٍ وَّ اٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ﴿12﴾ وَّ حَنَانًا
(مضبوط) پکڑیں اور ہم نے ان کو بچپن میں ہی دانائی عطا فرما دی تھی اور اپنے پاس سے شفقت اور
مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَکٰوةً وَ کَانَ تَقِیًّا ﴿13﴾
پاکیزگی عطا کی تھی اور وہ پرہیزگار تھے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش
وَّ بَرًّا بِوَالِدَیْهِ وَ لَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ﴿14﴾ وَ سَلٰمٌ
(اور) نافرمان نہیں تھے۔ اور ان پر سلامتی ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کر گئے
عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَ یَوْمَ یَمُوْتُ وَ یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ﴿15﴾
اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

سورۃ مریم مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس سے پہلے گزرنے

والی سورۃ کہف میں اللہ کریم نے وہ جوابات نازل فرمائے جو مشرکین نے یہود کے علماء سے پوچھ کر حضور ﷺ پر کیے تھے۔ عجیب باتیں تھیں جن کے جوابات ارشاد فرمائے اور اس سورۃ میں مزید عجیب و غریب واقعات بیان فرمائے جن کی مشرکین اور علمائے یہود کو خبر نہ تھی جو سوال انہوں نے کیے بھی نہیں تھے۔ ان میں سے ایک سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تھا کہ یہود آپؑ کو یوسف نجار کی ناجائز اولاد کہتے تھے، اس سے لے کر غلام احمد قادیانی نے اس بات کو دہرایا اور لکھا وہ ناجائز کہتے تھے اس نے یہ فرق کیا کہ اس نے لکھا کہ آپؑ یوسف نجار کی جائز اولاد تھے لیکن حقیقت سے اُس نے بھی انحراف کیا۔ عیسائی، عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے تو اس طرح کے کئی عجیب و غریب قصے مشہور تھے اُن سب کا رد بھی ہو گیا اور حقیقت آشکارا ہو گئی۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ......حروفِ مقطعات ہیں اور پہلے بھی گزر چکے ہیں اس کے بارے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ یہ اللہ اور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان راز ہیں یا اللہ کریم اپنے کسی خاص بندے کو بتانا چاہیں تو بتا دیں۔ ان کے معنی جاننا ہر ایک کے لیے ضروری بھی نہیں البتہ قاری کو ان کے پڑھنے سے ان کی برکات بھی نصیب ہو جاتی ہیں، ثواب بھی ہو جاتا ہے، کیفیات بھی نصیب ہو جاتی ہیں۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے معنی جاننا ضروری ہے، بہت اچھی بات ہے۔ سمجھنا اور اُن پر عمل کرنا یہ قرآن کا مقصد ہے لیکن اگر کسی کو معانی نہ آتے ہوں تو تلاوت کرنے کا ثواب اور اس سے جو دل کی صفائی ہوتی ہے اور اس پر جو کیفیات وارد ہوتی ہیں وہ نصیب ہو جاتی ہیں۔ معنی نہ بھی آتے ہوں تو تلاوت ایک الگ فعل ہے اور یہ کرتے رہنا چاہیے۔ اُس سے جو برکات نصیب ہوتی ہیں یا قلبی کیفیات نصیب ہوتی ہیں وہ نصیب ہوتی رہتی ہیں۔ فرمایا:

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ......فرمایا، سب سے پہلے زکریا علیہ السلام پر جو پروردگارِ عالم نے، آپ ﷺ کے پروردگار نے مہربانی فرمائی، اُس کا ذکر کیجیے۔ اللہ کریم جب چاہتے ہیں، جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ جس کو جو عطا کرنا چاہیں، عطا کر سکتے ہیں جس کو جس چیز سے روکنا چاہیں روک سکتے ہیں۔ وہ ہر چیز پہ ہمہ وقت قادر ہیں۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ......جب آپؑ نے نہایت پوشیدہ طور پر، مخفی طور پر اپنے پروردگار کو پکارا۔ یہاں زکریا علیہ السلام کی دُعا کا ذکر ہے اور اُس میں دُعا کے آداب بھی ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ پہلا ادب تو یہ ہے کہ اللہ کریم پر یہ یقین ہو کہ وہی میرا ربّ ہے، پالن ہار ہے۔ ہر چیز وہی دے سکتا ہے، وہی ایک واحد لاشریک ہستی ہے جو عطا کر سکتی ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اُس کے دینے میں کوئی اُس کا حصہ دار نہیں، کوئی ایسا نہیں۔ وہ خود عطا کرتا ہے، یہ اُس کی رحمت ہے۔ کوئی ایسی ہستی روئے زمین پر نہیں جو اللہ کو مجبور کر سکے کہ وہ یہ چیز عطا کرے، یہ چیز نہ دے، یہ دے۔ اُس پر کسی کا بس نہیں چلتا۔ اُس کی قدرتِ کاملہ سب پر چلتی ہے تو دُعا کے لیے یہ بنیاد ہے۔ انبیاءؑ تو ہوتے ہی اللہ کے، پروردگار کے بندے ہیں۔ اُن کے ذریعے دُعا مانگنے کا اُصول بیان فرما دیا کہ پہلے اللہ کو اپنا حاجت روا مان لیں اور اس کے سوا کسی کو اپنا حاجت روا نہ سمجھے اور یہ نہ سمجھے کہ کوئی اللہ کو مجبور کر سکتا ہے یا کوئی اللہ سے زبردستی لے سکتا ہے۔ اسے اپنا ربّ سمجھے۔ ربّ کہتے ہیں ہر چیز، ہر وقت، ہر ایک کو عطا کرنے والا۔

دُعا کے آداب میں یہ بھی ہے جیسا کہ آپؑ نے نہایت پوشیدہ طور پر اپنے پروردگار کو پکارا، یہ بندے اور ربّ العالمین کی بات ہے۔ نہایت خشوع و خضوع سے اپنے دل میں آہستہ اللہ کو خفی طور پر پکاریں یعنی اللہ کا ذکر بھی خفی ہو تو بہت افضل ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا خَيْرُ الذِّكْرِ الذِّكْرُ الْخَفِيُّ وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي...... (روا احمد و ابن حبان)۔ بہترین ذکر وہ ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان خفی طور پر ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے، جس سے آدمی کو تنگی نہ ہو، گزارا ہوتا رہے وہ بہترین رزق ہے۔

دُعا بھی از قسم ذکر ہے۔ اللہ سے گزارشات پیش کرنا، اللہ سے مخاطب ہونا، اللہ کو یاد کرنا۔ تو فرمایا، نہایت خفیہ طریقے سے انہوں نے اللہ کریم کو پکارا: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا...... پہلے تو اپنی صورتِ حال عرض کی کہ یا اللہ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ...... میری تو ہڈیاں بھی کمزور پڑ چکی ہیں یعنی بڑھاپا اتنا چھا گیا ہے کہ نہ صرف ظاہری بدن، گوشت پوست بلکہ ہڈیاں بھی کمزور پڑ چکی ہیں وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا......اور بڑھاپے کا شعلہ سر سے جا نکلا ہے یعنی سر پہ بھی بالوں کی سفیدی اور سر کی لرزش اور کمزوری، یادداشت کی کمزوری۔ یہ چیزیں جو واقع ہوتی ہیں فرمایا، یہ بھی جس طرح شعلہ اُٹھتا ہے آگ کا اور خبر دیتا ہے کہ یہاں آگ جل رہی ہے اسی طرح یہ بالوں کی سفیدی بتا رہی ہے کہ یہاں بڑھاپا آ چکا ہے۔ ظاہری اسباب کے بارے فرمایا، میری ہڈیاں بھی کمزور پڑ چکی ہیں، باقی اعصاب کا تو کیا ذکر اور بڑھاپے کا شعلہ سر سے جا نکلا ہے۔ سر بھی لرزنے لگتا ہے، بال سفید ہو جاتے ہیں، چہرے پہ جھریاں پڑ جاتی ہیں تو وہ ساری اس بات کی دلالت کرتی ہیں کہ یہ شخص اب بوڑھے درخت کی طرح مُرجھا چکا ہے۔ پہلے تو اپنی حالت عرض کی کہ یا اللہ میرا عالم تو یہ ہے لیکن وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا......لیکن میرا جو اعتماد ہے جو میرا یقین ہے، جو میرا ایمان ہے وہ یہ ہے کہ اے میرے پروردگار! آپ سے دُعا کر کے میں کبھی محروم نہیں رہا۔ ساری زندگی میں نے جب بھی آپ کو پکارا، آپ نے میری دستگیری فرمائی جو میں نے مانگا، آپ نے عطا فرمایا۔ اگرچہ عذر تو بہت ہیں کہ بدن کمزور پڑ چکا ہے، اعصاب کمزور پڑ چکے ہیں، ہاتھ پاؤں وجود اس حد تک کمزور پڑ چکا ہے کہ ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور بڑھاپے کا شعلہ سر سے جا نکلا ہے اُس کے باوجود میں نے جب بھی آپ کو پکارا ہے، آپ نے میری دُعا قبول فرمائی ہے۔ پہلے آپ نے اپنی حالتِ زار عرض کی پھر وجہ عرض کی کہ کس وجہ سے دُعا کر رہا ہے: وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ......بات تو یہ ہے کہ یا اللہ! میں نے ساری زندگی محنت کی ہے، لوگوں تک آپ کا پیغام پہنچایا ہے اور لوگوں کی تربیت کی ہے، اُن کے قلوب روشن کیے ہیں لیکن جو میرے رشتہ دار ہیں اور میرے بھائی بند ہیں اور میری جو برادری ہے ان سے مجھے کوئی اُمید نہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اس کام کو جاری نہیں رکھ سکیں گے، وہ تیری بات لوگوں تک پہنچانے کے اہل ثابت نہیں ہوں گے بلکہ دنیا داری میں اُلجھ جائیں گے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اکثر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ دار اور اکثر اولیاء اللہ کے رشتہ دار محروم ہی رہتے ہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ اُس بندے کو اپنی برادری کا ایک بندہ تو سمجھتے ہیں، اُس کا منصب قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں، اُس کا احترام ان کے دل میں نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتے ہیں یہ ہمارے بھائی کا بیٹا ہے، یہ ہمارے چچا کا بیٹا ہے، یہ ہمارے ماموں کا بیٹا ہے، یہ ہماری برادری کا فرد ہے۔ اس طرح تو سمجھتے ہیں لیکن اُس کی عظمت ماننے سے اُن کے دل گریزاں ہی رہتے ہیں۔ ساری عمر اپنے جیسا ہی سمجھتے رہتے ہیں۔ حصولِ برکات کے لیے چونکہ ادب پہلی شرط ہے تو وہ اس ہستی کے ادب کا وہ حق ادا نہیں کر پاتے اس لیے اکثر محروم رہتے ہیں۔ یہ شکایت آپؑ نے بھی پیش کی کہ یا اللہ! اے میرے ربّ العالمین، اے میرے پروردگار! میں اپنے رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں کہ میرے بعد یہ میرے مشن کو جاری نہیں رکھ سکیں گے۔ انہوں نے مجھ سے استفادہ ہی نہیں کیا، ان کے پاس یہ برکات ہیں ہی نہیں اور یہ بجائے اس دینی کام کو بڑھانے کے شاید اس میں رُکاوٹ کا سبب بن جائیں۔ وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا......اور دوسری بڑی بات یہ ہے کہ میری بیوی ساری عمر بانجھ رہی ہے، ساری عمر ہمارے ہاں اولاد ہی نہیں ہوئی، اس کی بھی عمر گزر گئی ہے، اب ضعیف ہو گئی ہے تو کتنے عذر اکٹھے ہو گئے۔ پہلے اپنے بڑھاپے کا تذکرہ فرمایا کہ ہڈیاں تک بوڑھی ہو گئی ہیں اور سر سے بڑھاپے کا شعلہ جا نکلا ہے لیکن اس سب کے باوجود میں نے جب بھی آپ سے مانگا ہے آپ نے ہمیں محروم نہیں رکھا اس لیے میں مانگنے چلا

ہوں۔ دوسرا عذر یہ فرمایا کہ میں اپنے وارثوں، اپنی برادری، بھائی بندوں سے جو میرے بعد رہ جائیں گے ان سے اس بات سے ڈرتا ہوں کہ یہ آپ کے اس مشن کو اور دین کے کام کو جاری نہیں رکھ سکیں گے۔ اگرچہ میری بیوی بھی بانجھ ہے، اس سب کے باوجود عرض کرتے ہیں: فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ...... یا اللہ! مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔ تُو اسباب کا محتاج نہیں ہے، اسباب کا بنانے والا بھی تو ہے۔ اسباب بھی مخلوق ہیں تو خالق ہے، تجھے اسباب کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس کوئی ایسا ظاہری سبب نہیں ہے کہ میری اولاد ہو سکے لیکن مجھے دُکھ ہوتا ہے کہ میں نے جو ساری زندگی محنت کی ہے اور لوگوں کی تربیت کی ہے جب میں دُنیا سے رُخصت ہو جاؤں گا تو یہ جو میرے بھائی بند اور برادری اور یہ رشتہ دار جو پیچھے رہ جائیں گے یہ اُس کو ضائع کر دیں گے۔ ان میں اہلیت نہیں ہے یہ خود مجھ سے استفادہ نہیں کر سکے۔ اگرچہ ظاہراً بہت عذر ہیں لیکن سب رکاوٹوں کے باوجود میرا ایمان ہے کہ یہ ساری رُکاوٹیں میرے لیے ہیں، مخلوق کے لیے ہیں انسانوں کے لیے ہیں۔ آپ کی ذات وریٰ الوریٰ ہے آپ قادر ہیں، مہربانی فرما کر مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمائیے جو اس قابل ہو يَّرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ...... جو میری وراثت کا اہل ہو اور آلِ یعقوبؑ کی وراثت کا اہل ہو، حقیقی وارث ہو۔

انبیاءؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت کیا ہوتی ہے؟ اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ انبیاءؑ کی وراثت اُن کے علوم اور اُن کی کیفیات ہوتی ہیں۔ جو مال انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصال پہ رہ جائے وہ صدقہ ہوتا ہے، وراثت نہیں ہوتی۔ نبی کریم ﷺ کے وصالِ مبارک پر آپ ﷺ کے در دولت پر آپ ﷺ کی تلواریں تھیں، نیزے تھے، آپ ﷺ کی سواری کے جانور تھے، آپ ﷺ کا لباسِ اطہر تھا تو وہ وارثوں کو وراثت میں تقسیم نہیں ہوا بلکہ کچھ حضرات کو بطورِ تبرک عطا کر دیئے گئے وراثت کے طور پر تقسیم نہیں ہوا کہ اتنا حصہ ازواج مطہرات کو جائے گا اور اتنا فلاں کو جائے گا۔ انبیاءؑ کی وراثت اُن کا علم ہوتا ہے اور حقیقی طور پر اُس علم کا جو اثر دل پہ اور جو قلبی کیفیات ہوتی ہیں انبیاءؑ کی یہ وراثت ہوتی ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ علماء انبیاءؑ کے وارث ہوتے ہیں یعنی انبیاءؑ کی دولت اُن کی کیفیات ہوتی ہیں اور اُن کی برکات ہوتی ہیں اور اس کا مطلب ہے کہ عالم بھی وہ ہے جس کے پاس صرف علوم ظاہری نہ ہوں بلکہ کیفیاتِ قلبی بھی ہوں، تب وہ حقیقی وارث بنتا ہے۔ تو فرمایا، مجھے ایسی اولاد عطا فرما ایسا بیٹا عطا فرما جو میری میراث کا بھی مالک بنے اور اہلِ یعقوب علیہ السلام کی وراثت کا بھی۔

اب یعقوب علیہ السلام بہت پہلے گزر چکے تھے، آلِ یعقوب علیہ السلام پہلے گزر چکی تھی تو اُن کی وراثت کی کیا بات تھی؟ اُن کی وراثت تو اُن کے وارثوں میں بٹ گئی ہوگی، اگر مال و دولت کی وراثت ہوتی تو وہ تو اب تک نہیں پڑی تھی۔ وراثت وہی تھی کہ اُن کے بعد یہ نبیؑ ہوگا اور وہ علوم اور وہ معارف اور وہ کیفیات ان کے ذریعے تقسیم ہوں گی۔ جس کے لیے آپؑ نے دُعا کی کہ کوئی ایسا فرزند عطا فرما جو نہایت نیک بخت ہو جو یہ وراثت حاصل کرے اور آگے اللہ کی مخلوق میں بانٹ سکے وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ...... اور اسے بہت خوبصورت، ایسا بندہ بنائیں جسے ہر کوئی پسند کرے، جس سے ہر کوئی راضی رہے جو بہت اچھا، بہت خوبصورت، بہت نیک سیرت، بہت پاک سیرت، بہت خوش زبان اور ہر لحاظ سے بہترین انسان ہو۔

یہ سارے دُعا کے آداب ہیں۔ اللہ کی عظمت بیان کرنا، اُس کی پاکی بیان کرنا۔ بعثتِ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد سے حضور ﷺ پر درود بھیجنا دُعا کے آداب کا حصہ ہے۔ بعثت کے بعد دُعا کا یہ حصہ ہے کہ درود شریف بھی ایک دعا ہے اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ اے اللہ! حضرت محمد ﷺ پر اپنی بے پناہ رحمتیں نازل فرما وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ...... اور آپ ﷺ کی آل پر بھی اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ پر بھی بے پناہ رحمتیں ہوں۔ یہ بھی ایک دُعا ہے اور یہ وہ دُعا ہے جو ہمیشہ قبول ہوتی ہے ارشادِ باری ہے: إِنَّ اللهَ وَ

مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ اللہ جل شانہٗ! مسلسل رحمت نازل فرماتا رہتا ہے اپنے نبی ﷺ پر اور فرشتے حضور اکرم ﷺ پر نزولِ رحمت کے لیے، ہمیشہ دستِ دُعا بلند رکھتے ہیں۔ تو گویا یہ وہ دُعا ہے جو مانگنے سے پہلے قبول ہو چکی ہے، جو ہمیشہ قبول ہی ہے۔ اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ دُعا سے پہلے بھی درود شریف پڑھا جائے اور دُعا کے بعد بھی درود شریف پڑھ کے ختم کی جائے تو اللہ کریم کی عظمت سے یہ اُمید ہے کہ وہ پہلی بھی قبول فرمالے آخری بھی اور درمیان میں بھی نہیں چھوڑے گا، وہ ضرور قبول فرمائے گا۔

اللہ جل شانہٗ کی تعریف کی، اپنی معذوری عرض کی اور وجہ عرض کی کہ تیرے دین کے لیے مجھے وارث چاہیے۔ دُنیا کا نظام تو چل رہا ہے، چلتا رہے گا تو ایسا وارث عطا فرما جو تیرے دین کا داعی ہو اور میرے اصل منصب کو سنبھال کر آگے چلا سکے تو فوراً جواب آیا۔ جب یہ شرائط پوری ہوں تو جواب فوراً آتا ہے۔ اس میں بنیادی بات صرف اللہ کو اپنا حاجت روا سمجھنا ہے کہ صرف اسی سے مانگو۔ فرمایا: يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ...... جواب آیا اے زکریا علیہ السلام! ہم تجھے بیٹے کی مبارک دیتے ہیں، بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔ ہم تمہیں ایسا ہی عالیشان، عظیم المرتبت بیٹا عطا فرماتے ہیں۔ تمہیں مبارک ہو! اِسْمُهٗ يَحْيٰى ...... اللہ کریم نے بیٹے کی بشارت بھی دی اور ساتھ نام بھی تجویز فرما دیا اُس کا نام یحییٰ ہوگا۔ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ...... ہم نے اُس نام کا بندہ پہلے پیدا نہیں فرمایا، آج تک کسی نے یہ نام نہیں رکھا۔

گویا اسلام میں نام کی بھی اہمیت ہوتی ہے۔ غیر مسلموں کو کوئی فرق نہیں پڑتا کوئی سا بھی نام رکھ لیتے ہیں۔ جو آیا رکھ دیا ایک بندے کو پکارنا ہی ہے لیکن اسلام میں اس کی اہمیت ہے کہ نام مبارک، بابرکت اور بامعنی ہونا چاہیے۔ بچے کا نام ہمیشہ ایسا رکھا جائے جو بامعنی بھی ہو، مبارک ہو اور بابرکت ہو۔ مسلمانوں کی اکثریت میں تو یہ بہت خوبصورت رواج ہے الحمدللہ! کہ بچوں کے نام میں حضور اکرم ﷺ کا نام نامی شامل کر دیتے ہیں اور محمد ﷺ سے نام شروع ہوتا ہے یہ بڑی خوبصورت بات ہے۔ اگرچہ ہم گناہ گار ہیں خطار کار ہیں لیکن یہ بات بہت خوبصورت ہے کہ جب بندے کو پکارا جائے تو آپ ﷺ کا نام نامی ہی لیا جائے تو یہ بہت مبارک ہے۔ اللہ کا نام ساتھ آجائے جیسے عبداللہ۔ اس طرح کے نام بہت ہوتے ہیں جن میں نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے اور اللہ کی کسی صفت کی طرف ہوتی ہے جیسے عبدالستار، عبدالغفار، عبدالجبار۔ یہ ہدایت ہے۔

یہاں اللہ کریم اسی کی تاکید فرما رہے ہیں، دیکھو میں تمہیں بیٹے کی بشارت دیتا ہوں اور اُس کا نام یحییٰ رکھنا۔ یہ ایسا خوبصورت نام رکھا کہ ایسا نام پہلے کسی کا نہیں تھا۔ تو نام کی ایک اہمیت ہے۔

میں نے اس معاملے میں ایک عجیب تجربہ کیا ہے۔ اکثر بچیوں کا نام میں نے سنا ہے صائمہ۔ اب صائم ہوتا ہے روزہ دار اور صائمہ کا مطلب ہے خاتون روزہ دار۔ پتہ نہیں ایک صوفی انداز دیکھ کے رکھ تو دیتے ہیں لیکن میرا یہ تجربہ ہے کہ اُن میں سے میرا خیال ہے 95 فیصد کو میں نے دیکھا ہے کہ اُن کے حالات اچھے نہیں رہے۔ جیسے روزہ دار ہوتا ہے نا ان کی ساری زندگی ایسے ہی ہے۔ روزہ دار ہوتے ہوئے پانی نہیں پی سکتا، پاس ہوتے ہوئے غذا نہیں کھا سکتا۔ وہ آباد گھروں میں ہوتے ہوئے بھی پریشان ہی ہوتی ہیں، پتا نہیں کیوں ایسا نام رکھتے ہیں۔ اس طرح کے اور بھی بہت سے نام ہیں بے معنی کچھ تو فضول ہوتے ہیں وہ بھی نہیں رکھنے چاہییں۔ یہاں اللہ کریم نے کتنا احسان فرمایا ہے کہ یہ ایسا نام ہے جو پہلے کسی کا نہیں ہے۔ نام خوبصورت ہونا چاہیے بامعنی ہونا چاہیے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ...... عرض کی، بارِ الٰہا میں نے مانگ لیا، آپ نے عطا کر دیا تو اب یہ ہوگا کیسے؟ دُنیا تو عالمِ اسباب ہے اور میرا بڑھاپا آچکا ہے تو کیا آپ مجھے جوانی عطا فرمائیں گے تو پھر سے میں اس قابل ہو جاؤں گا یا میری بیوی جو ساری عمر کی بانجھ ہے اور اب وہ

ضعیف العمر خاتون ہے، اُسے صحت دے دے گا یا مجھے کوئی اور بیوی عطا فرمائے گا، اور شادی ہوگی؟ ظاہری حالات سے ایسا نہیں لگتا۔ فرمایا: قَالَ كَذٰلِكَ ...... اللہ نے فرمایا، ان اسباب کے ہوتے ہوئے ایسے ہی ہوگا۔ نہ آپ پر کوئی جوانی آئے گی نہ کوئی نئی شادی ہوگی، نہ آپ کی اہلیہ پر کوئی جوانی آئے گی۔ آپ کا بڑھاپا بھی ایسے ہی رہے گا، اُن کی صحت بھی ویسے ہی رہے گی لیکن آپ دونوں کا بیٹا ہوگا قَالَ كَذٰلِكَ ......فرمایا، ایسے ہی، جیسے آپ لوگ ہیں اسی حالت میں بیٹا بھی ہو جائے گا۔ اسی حالت میں عطا کر دوں گا۔ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ...... زکریا علیہ السلام آپ کا پروردگار ارشاد فرماتا ہے، میرے لیے یہ کوئی مشکل نہیں۔ ایک ضعیفہ بانجھ عورت کو، ایک ضعیف اور کمزور آدمی سے اولاد عطا کر دینا یہ میرے لیے کوئی مشکل نہیں، میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ قَالَ كَذٰلِكَ ...... اسی حال میں جس میں آپ لوگ ہیں اسی میں ان شاء اللہ بیٹا ہوگا۔ فرمایا، میں ربّ العالمین ہوں، میں آپ کا بھی پروردگار ہوں، آپ کو عطا کرنے والا ہوں اور یہ میرے لیے کوئی مشکل نہیں، اسی حال میں آپ کے بڑھاپے میں آپ کی اہلیہ کے بانجھ پن میں اسی حال میں میں آپ دونوں کو فرزند عطا کروں گا اور یہ میرے لیے آسان ہے وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ......آپ کو بھی تو میں نے پہلے پیدا کیا تھا اور پیدا ہونے سے پہلے تو آپ کا کوئی وجود نہیں تھا، آپ کچھ بھی نہیں تھے۔ میں جو عدم سے پیدا کر سکتا ہوں زندہ وجودوں سے کیوں پیدا نہیں کر سکتا میرے لیے کوئی مشکل نہیں۔ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً آپؑ نے عرض کیا، یا اللہ! مجھے کوئی نشانی بتا دیں تاکہ مجھے تسلی ہو جائے قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ......اللہ کریم نے فرمایا کہ نشانی یہ ہے کہ جب آپ کا بیٹا ہو گا، جب آپ کی اہلیہ حاملہ ہو جائیں گی بیٹے کا وجود بنے گا تو تین رات دن آپ کسی سے بات نہیں کر سکیں گے۔ عبادت کریں گے، نماز روزہ کریں گے، ذکر اذکار کریں گے لیکن کسی انسان سے آپ بات نہیں کر سکیں گے۔ اللہ کریم نے بہت خوبصورت نشانی بھی بتائی اور یہ طریقہ بھی بتایا کہ جب اللہ کا احسان ہو تو اُس کے ڈھنڈورے نہیں پیٹنے چاہییں، خاموشی سے اُسے یاد کرنا چاہیے، اُس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ جب اللہ کی مہربانی ہو تو زبان بند اور دل جاری ہو جانا چاہیے۔

اب یہاں اس بات سے یہ بھی دیکھیں کہ جتنی خوشی کا اظہار نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت پر اور آپ ﷺ کی بعثتِ عالی پر کیا جائے کم ہے لیکن اس ادا کا سلیقہ کیا ہے طریقہ کیا ہے؟ اس آیت مبارکہ سے پتہ چلتا ہے۔ یہاں خوشی کا موقع ہے نا! یہاں آپؑ کو پتا چل گیا کہ میرا بیٹا ہوگا اور بہترین انسان ہوگا، اللہ کا نبیؑ ہوگا اور بہت خوبیوں کا مالک ہوگا۔ اللہ نے فرمایا کہ تین دن رات آپؑ کسی سے بات نہیں کر سکیں گے، صرف اللہ کا ذکر کر سکیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اس خوشی کو منانے کا طریقہ یہ ہے کہ زبان بند ہو جائے اور دل روشن ہو جائے اور اللہ کے حضور سر بسجود ہوا جائے، اللہ کا ذکر کیا جائے اور اللہ کا احسان مانا جائے۔ قرآنِ کریم سارے علماء پڑھتے ہیں، عام مسلمان بھی پڑھتے ہیں شاید اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے اس آیہ کریمہ سے میری سمجھ میں تو یہ بات آ رہی ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا انداز یہ ہے۔ زکریا علیہ السلام ضعیف ہو چکے تھے، آپ کی اہلیہ مبارکہ ضعیف ہو چکی تھیں ساری عمر کی بانجھ تھیں تو یہ اپنا حال بیان کر رہے ہیں کہ میری تو ہڈیاں بھی بوڑھی ہو چکی ہیں میں اولاد کے قابل کہاں ہوں لیکن مجھے ضرورت ہے کہ میرے دین کے کام کو بچہ آگے چلائے ربّ العالمین مجھے بیٹا دے اور فرمایا، تجھے بیٹا دے دیا اور اُس کا نام بھی رکھ دیا یحییٰ۔ کتنی خوشی کا مقام ہے۔ اب اس خوشی کو منانے کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا، تین دن رات آپ خاموش صرف اللہ سے بات، صرف اللہ کا ذکر کر سکیں گے، صرف سجدے دے سکیں گے، رکوع کر سکیں گے، نمازیں پڑھ سکیں گے، اللہ کی یاد کر سکیں گے، لیکن زبان سے لوگوں سے بات نہیں کر سکیں گے تو اللہ نے یہ طریقہ بھی بتا دیا اور اُن پر طاری بھی کر دیا کہ اس طرح سے میرا شکر ادا کریں۔ اگر نبی کریم ﷺ کی ولادت اور بعثتِ عالی کا شکر ادا کرنا ہو تو اُس کا سلیقہ کیا ہونا چاہیے؟ میرا خیال ہے

یہاں تین دن کی خاموشی ہے تو یہاں تو تیس دن کی بھی ہو جائے تو کوئی بات نہیں۔ ہم ہیں کہ ڈھول باجے لے کر سڑک پہ نکل جاتے ہیں، سمجھ نہیں آتی کہ کون سی بات صحیح ہے۔ میری نظر میں تو یہ درست نہیں ہے۔

سلیقہ یہ ہے کہ مساجد میں پہنچ جاؤ، گھروں میں ہو تو وہاں بیٹھ جاؤ، اللہ کا ذکر کرو، قرآن کی تلاوت کرو، اللہ کا شکر کرو، دعائیں مانگو۔ اللہ تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔ الحمد اللہ! تو نے اتنی مبارک ہستی عطا کی۔ زکریا علیہ السلام بیٹے کی ولادت سے پہلے شکر ادا کر رہے ہیں۔ اگر وہ شکر ادا کر رہے ہیں تو ولادتِ سعادت پہ شکر کرنا تو سعادت مندی ہے اس سے کون روک سکتا ہے لیکن اُس کا طریقہ کیا ہونا چاہیے بات اس کی ہو رہی ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ...... فرمایا، زکریا علیہ السلام اپنی عبادت میں، اپنے حجرۂ مبارک میں اللہ کریم سے باتیں کر رہے تھے۔ یہ بشارت ملی اور خوشی منانے کا سلیقہ بتایا گیا۔ جب وہاں سے باہر آئے تو اشاروں سے قوم کو سمجھایا۔ اس طرح انبیاءؑ پر وحی نازل ہوتی ہے تو کوئی نہیں سُنتا، باتیں ہوتی ہیں تو سارے لوگ سُنتے ہیں۔ قدرت کے اپنے انداز اور طریق سے اللہ کے نبیؑ کے دل میں بات پہنچ جاتی ہے لیکن لوگوں کو بتانا تو زبان سے پڑتا ہے۔ یہاں زبان تو اللہ نے روک دی، تین دن بول نہیں سکتے تھے تو لوگوں کو اشاروں سے فرمایا کہ خوشیاں مناؤ۔ کس طرح سے؟ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ...... رات دن اب اللہ کا ذکر کرتے رہو، اُس کی پاکی بیان کرتے رہو، خود بھی خوشی منا رہے ہیں اور پوری قوم کو باہر نکل کر اشاروں سے فرمایا اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ...... صبح شام۔ صبح شام کہتے ہیں رات دن، یہ جو عربی میں ہے نا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ...... اسے انگریزی میں کہتے ہیں Round the Clock یعنی ہر لمحے، ہر وقت، دن رات اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ...... رات دن اللہ کی پاکی بیان کرتے رہو پوری قوم خوشی منا رہی ہے۔ زکریا علیہ السلام کو خوشی منانے کا طریقہ اللہ نے تعلیم فرمایا انہوں نے پوری قوم کو تعلیم فرما دیا کہ خوشیاں مناؤ اللہ نے مجھے بیٹا عطا کیا ہے تمہارا نبیؑ ہو گا، تمہارا امام ہو گا، تمہارا راہنما ہو گا اور تم محروم نہیں ہو گے۔ میرے جانے کے بعد بھی تمہیں یہ راہنمائی ملتی رہے گی، تمہاری دستگیری ہوتی رہے گی اب خوشیاں مناؤ۔ خوشی منانے کا طریقہ کیا ہے کہ رات دن اُسی کا ذکر کرتے رہو اُس کی پاکی بیان کرتے رہو۔ تو اِن آیات میں میلاد کا طریقہ بھی آ گیا کہ کس طرح سے منایا جانا چاہیے۔ یحییٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، اللہ کریم نے فرمایا: يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ...... اے یحییٰ علیہ السلام، کتاب کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ اس سے پہلے تورات نازل ہو چکی تھی اور وہی دین مل رہا تھا تو ارشاد ہوا کہ اس کو اب مضبوطی سے تھام لو۔ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ...... اور انہیں انتہائی بچپن میں ہی ہم نے دانائی عطا کر دی تھی۔ یحییٰ علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہو رہا ہے تو فرمایا کہ انتہائی بچپن اور لڑکپن سے ہی اُن سے ظاہر تھا کہ یہ بہت عظیم انسان ہو گا اور دانائی اور دانش مندی اُن کے بچپن ہی سے ٹپک رہی تھی۔ اُن کی باتوں سے، اُن کی حرکات سے وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً وَ كَانَ تَقِيًّا ...... اور ہم نے اپنے پاس سے انہیں شفقت اور پاکیزگی عطا کر دی تھی۔ وہ من جانب اللہ شفقت، مہربانیاں، کرم اور پاکیزگیاں لے کر پیدا ہوئے تھے۔ پیدائشی طور پر انہیں میں نے یہ چیزیں عطا کر دی تھیں۔ وَ كَانَ تَقِيًّا ...... بہت پرہیزگار، بہت نیک تھے وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَ لَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ...... وہ اپنے والدین کے ساتھ بھی بہت نیکی کرنے والے تھے اور نہ وہ سرکش جبار تھے نہ زبردستی کرنے والے تھے نہ وہ غلط کام کرنے والے نافرمان تھے۔ نافرمان بھی نہیں تھے جبار بھی نہیں تھے زبردستی کرنے والے بھی نہیں تھے نافرمانی کرنے والے بھی نہیں تھے اللہ کریم نے کس طرح سے یحییٰ علیہ السلام کے مزاجِ عالی کی تعریف فرمائی کہ شفقت اور پاکیزگی تو میں نے اپنی طرف سے یعنی وہبی طور پر، پیدائشی طور پر عطا کی، یہ چیزیں تو وہ لے کر پیدا ہوئے تھے ان کے مزاج میں نیکی ہی نیکی تھی اپنے والدین کے ساتھ بھی نہ وہ سرکش تھے کہ

اپنی مرضی مسلط کریں اور نہ وہ نافرمان تھے۔ اللہ اللہ! فرمایا وہ کیسی ہستی تھی وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ ...... اُن پر سلامتی ہو جب وہ دُنیا میں تشریف لائے جب وہ پیدا ہوئے وَ يَوْمَ يَمُوْتُ ...... جب دُنیا سے وصال فرمائیں گے۔ رُخصت ہوں گے تو اُن پر سلامتی ہوگی وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ...... اور یومِ حشر جب وہ زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے تو بھی اُن پر سلامتی ہوگی۔ یعنی وہ قدم قدم پر اللہ کی سلامتی، اللہ کے کرم، اُسی کی مہربانی کے زیرِ سایہ رہیں گے۔

بہت عجیب طریقے سے اللہ کریم نے ارشاد فرمایا، کتنی تعریفیں کیں یحییٰ علیہ السلام کی لیکن بنیاد یہ ہے، فرمایا: خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ... نبیؑ تو ویسے ہی کتاب کے ساتھ ہی زندہ رہتا ہے۔ لیکن یہ جو انبیاءؑ کو تاکید کی جاتی ہے اُس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اگر تاکید نبیؑ کو کی ہے تو دوسرا اس سے مستثنیٰ کیسے ہوسکتا ہے! کتاب کو پکڑنے سے یہ مراد نہیں کہ اسے مضبوطی سے چمٹایا جائے۔ پکڑنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے عقیدے سے لے کر عمل تک وہ کام کر جو کتاب میں ہے۔ سب سے پہلی بات ہی یہ ارشاد فرمائی خُذِ الْكِتٰبَ ...

ہم نے تو قرآن مجید کو بڑے عزت، بڑے ادب، بڑے احترام سے لپیٹ کر ریشمی غلافوں میں رکھ دیا۔ فرمایا، یہ کتاب کو پکڑنا نہیں ہے، اس کو صبح شام دیکھو، جب کوئی کام پڑے دیکھو، جب کوئی مصیبت آئے دیکھو، جب ضرورت پڑے دیکھو، جب نہ ضرورت ہو تب بھی دیکھو۔ کتاب کو پڑھتے رہو، اسے سمجھو اور اس پر عمل کرو۔ کتاب کو پکڑنے سے مراد یہ ہے کہ کتاب کو پڑھا جائے، کتاب کو سمجھا جائے اور کتاب پر عمل کیا جائے۔ یہ عمل کی کتاب ہے۔ تو فرمایا، اسے مضبوطی سے تھامو یعنی اسے غور سے پڑھو، اسے پورے دھیان سے سمجھو اور پوری محنت سے اس پر عمل کرو۔ یہ ہے کتاب کو تھامنا۔ اس کے بعد فرمایا، وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ...... اُس کو تو انتہائی بچپن سے دانائی کی باتیں متعارف کی تھیں وہ تو بچے تھے۔ تو بچے سے کوئی اتنی دانائی کی بات کی توقع نہیں کرتا لیکن وہ انتہائی دانش مندانہ باتیں کرتے تھے وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ...... اور شفقت، مہربانی، پاکیزگی تو ہم نے تو انہیں اپنے پاس سے عطا کر دی تھی۔ اللہ کی عطا کی کیا بات ہے، اُس کی عطا بھی اُس کی شان کے مطابق ہوتی ہے تو وہ ہم نے عطا کر دی تھی وَ كَانَ تَقِيًّا ...... بہت نیک انسان تھے اللہ کے نبیؑ جو تھے وَّ بَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ...... والدین سے نیک برتاؤ کرنے والے تھے۔ سرکش بھی نہیں تھے نافرمان بھی نہیں تھے اور ایسے محبوب، ایسے کریم اور ایسے انسان تھے کہ اُن پر اُن کی پیدائش پر بھی اللہ کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہوئی اور جب دُنیا سے رُخصت ہوں تو تب بھی اُن پر اللہ کی سلامتی نازل ہو جب دوبارہ زندہ ہو کر میدانِ حشر میں آئیں جب دوبارہ اُٹھائے جائیں تو وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ...... اس دن بھی اُن پر اللہ کی سلامتی نازل ہو۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰىنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

دعائے مغفرت

1) بیگو سیالکوٹ سے سلسلہ عالیہ کی ساتھی مسز عبدالرزاق جج کے بیٹے۔
2) کمالیہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد منور۔
3) رحیم یار خاں سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ثناء اللہ کے والدِ محترم۔
4) دینہ مفتیاں سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی شاہد کے بھائی۔
5) سرگودھا سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی تنویر احمد کے والد شبیر احمد۔
6) ڈیرہ اسماعیل خان سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی خلیل احمد کی والدہ محترمہ۔
7) تنازعہ ڈیم ضلع اٹک سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی دین محمد۔

وفات پا گئے ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سوال: نماز میں وہ فرائض جو امام کے پیچھے پڑھے جاتے ہیں جن میں قرأت نہیں پڑھی جاتی اُس میں مبتدی کے لیے کیا حکم ہے؟ سورۃ فاتحہ دل میں پڑھے یا اُس کے ترجمے کی طرف دھیان کرتا رہے یا یہ دُعا کرتا رہے امام جو سب کی طرف سے پیش کر رہا ہے وہی کلمہ ہے یا اپنے دل کی طرف متوجہ ہو کر پاس انفاس کرتا رہے؟

جواب: نماز میں متوجہ الی اللہ رہنا ضروری ہے۔ اللہ کے حضور پیشی پہ کھڑا ہو جائے تو اُسے حضورِ حق حاصل ہونا چاہیے اور حضورِ حق نصیب ہو تو پھر اور اُسے کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ امام تمام مقتدیوں کا نمائندہ ہوتا ہے۔ انہیں کی طرف سے پڑھ رہا ہوتا ہے اس لیے امام کے پیچھے حکم یہ ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف: 204) جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اُسے سنو اور خاموش رہو۔ امام قرآن پڑھ رہا ہوتا ہے، سورۃ فاتحہ پڑھ رہا ہوتا ہے یا دوسری سورت ملا رہا ہوتا ہے تو وہ خاموشی سے متوجہ الی اللہ ہو کر سننی چاہیے۔ جب ترجمہ آتا ہو تو معنی پہ غور کرتا رہے، قرآن کے معنی پر بھی اور سورۃ فاتحہ کے معنی پر بھی۔ وساس دل میں نہ لائے، حضورِ حق کی کوشش کرے۔ نماز کے اندر کسی اور ذکر کی یا پاسِ انفاس کی ضرورت نہیں ہے۔ نماز میں پوری طرح نماز ہی کی طرف متوجہ رہے۔ یہ فقہی مسائل ہیں، چھوٹی چھوٹی کتابیں ملتی ہیں جن میں روزمرہ سوالوں کا جواب مل جاتا ہے، اُن کا مطالعہ کیا کریں۔

سوال: غزوۃ الہند کب تک ممکن ہے، شہادت کی آرزو ہے؟

جواب: شہادت کی آرزو رکھنا تو اللہ کا احسان ہے، ضرور ہونی چاہیے اور اللہ اجر دینے والا ہے۔ جو اِس اُمید پہ دُنیا سے گزر جاتے ہیں وہ چاہے تو انہیں بھی شہادت کا اَجر دے دے۔ یہ تو اللہ کریم کی عطا پہ ہے اور بندے کے ارادے پہ کہ اُس میں کتنا خلوص ہے۔ یہ دونوں باتیں ہیں اور اللہ ہی ہے، خلوص عطا کرنے والا۔ غزوۃ الہند کب تک ممکن ہے؟ وقت کی تعیین بندے کے لیے کبھی ممکن نہیں ہوتی، نہ کوئی کر سکتا ہے۔ جب اللہ چاہے گا ہو جائے گا۔ اللہ کریم کی اپنی مرضی اُس کا اپنا نظام ہے۔ ہاں! ہمیں یہ یقین ہے کہ ہو گا ضرور اِن شآء اللہ کہ یہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ عالی ہے۔ جب ہم اس کی بات کیا کرتے تھے تو اس وقت لوگ کہتے تھے کہ یہ کوئی انہونی بات ہے لیکن اب تو جو نہیں مانتے تھے وہ بھی مان رہے ہیں کہ حالات ویسے ہی بن رہے ہیں اور اب تو ماحول سارا اُسی طرف جا رہا ہے۔ تو خیر ہو گی اِن شآء اللہ غزوۃ الہند ضرور ہو گا جب اللہ کو منظور ہو گا۔ اللہ کریم شہادت کی آرزو بھی عطا رکھے اور شہادت بھی عطا کر دے تو اُس کا کرم ہے۔

یکم جون 2014

یہ ایک چھوٹا سا سوال ہے اور شاید بڑا ضروری قسم کا ہے۔

سوال: مراقبات کرتے وقت کس طرح بیٹھنا چاہیے یعنی سالک کی جسمانی حالت کیا ہونی چاہیے؟

جواب: عموماً یہ ہوتا ہے کہ جب مراقبات پہ جاتے ہیں تو آدمی ریلیکس (Relax) ہو جاتا ہے یا ٹیک لگا لیتا ہے، کبھی ٹانگیں پھیلا لیتا ہے۔ تو مراقبہ، رَقَبَہ سے ہے، رَقَبَہ، گردن کو کہتے ہیں، مراقبہ ہے گردن جھکا کر انتظار میں بیٹھنا برکاتِ الٰہی میں۔ تو مراقبے میں ایسی صورت بنا لینا کہ بندہ سو جائے یا اتنا ریلیکس ہو جائے یا دیوار سے ٹیک لگا لی، ٹانگیں پھیلا لیں تو یہ نہیں ہونا چاہیے مراقبہ میں کوشش کرنی چاہیے کہ ہوش میں اور سمجھ

کر کرے۔ جیسے احدیت کا مراقبہ ہے تو کوشش کرے بدن کا خیال چھوڑ دے لیکن بدن کو اتنا ریلیکس نہ کرے کہ ساری توجہ ہی بھول جائے اور آرام سے سو جائے بلکہ متوجہ الی اللہ رہ کر ہوشیار رہنا چاہیے اور اپنی نگاہ اپنے مراقبے پر ہو۔ لطائف کر کے صرف رابطہ کیا ہے تو اس رابطے پر بھی پوری طرح متوجہ رہیں۔ جتنی آپ کی توجہ ہو گی اتنا وہ مضبوط ہو گا۔ اگر مراقبات ہیں تو اپنے مراقبات، جو مراقبہ بھی وہ کر رہا ہے اس کی طرف وہ پوری طرح متوجہ رہے اور جسم کی ریلیکسیشن (Relaxation) کا خیال نہ کرے کہ جسم کو آرام پہنچے اور بے تکلف ہو کر ٹانگیں پسار کر بیٹھ جائے۔ ایسا نہ کرے بلکہ جسم کو سنبھال کر بیٹھے اور متوجہ الی اللہ ہو کر برکات کے انتظار میں رہے۔ مراقبہ ہوتا ہے برکات کا انتظار کرنا، تو اُس طرف متوجہ رہے جسم کا خیال ہی نہ رہے۔

سوال: حضورِ اکرم ﷺ کو تو معراج روح مع الجسد ہوئی لیکن بیت المقدس میں باقی انبیاءؑ کو جو نماز پڑھائی وہ انبیاءؑ نے روحانی نماز پڑھی یا جسمانی؟

جواب: حدیث شریف میں جو آیا ہے وہ اتنا ہے کہ تمام انبیاءؑ نے وہاں نماز پڑھی۔ اب یہ آپ کی سمجھ ہے کہ آپ صرف روح کو نبیؑ سمجھتے ہیں تو سمجھ لیں یا روح مع الجسد کو نبیؑ سمجھتے ہیں تو سمجھ لیں۔ حدیث شریف نے اس پر جرح نہیں کی اور میرے خیال میں یہ آپ سے پوچھا بھی نہیں جائے گا کہ معراج شریف میں انبیاءؑ نے روح مع الجسد نماز پڑھی یا صرف ارواح نے۔ لیکن کم از کم عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صرف ارواح ہوتیں تو ارواحِ انبیاءؑ کا تذکرہ ہوتا۔ وہاں جو ذکرِ خیر ہے وہ انبیاءؑ کا ہے۔ اب نبیؑ صرف روح ہے یا روح مع الجسد نبیؑ ہے یہ پھر آپ کو پتا ہونا چاہیے لیکن اس ساری کرید سے آپ کو حاصل کیا ہو گا؟ جتنا حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرما دیا وہ کافی ہے۔ ارشادِ عالی ہے کہ تمام انبیاءؑ نے وہاں نماز پڑھی، بات ختم ہو گئی تو فضول سوالوں میں نہ خود کو الجھائیں، نہ اپنی توجہ خراب کریں۔

انسان عجیب ہے، ساری زندگی اُن چیزوں کو تلاش کرتا رہتا ہے جن کی اُسے ضرورت نہیں ہوتی اور عمرِ عزیز ضائع کر دیتا ہے۔ بنیادی بات یہ ہوتی ہے کہ مجھے اور آپ کو جواب کس چیز کا دینا ہے یہ ہماری ضرورت ہے۔ جو چیز ہم سے نہ پوچھی جائے گی اُس کے پیچھے ہم لگے رہتے ہیں، جو چیز ہم سے پوچھی جائے گی اس کے بارے ہم کہتے ہیں خیر ہے، ہو جائے گا، کر لیں گے۔ اُسی قسم کا یہ سوال ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی بندے سے قبر میں یہ پوچھا جائے گا جس کا آپ نے یہاں سوال کیا ہے۔

ضرورتِ رشتہ

دو بہنیں جن کی عمر 27 اور 28 سال ہے، تعلیم ایم اے، کے لیے سلسلہ عالیہ، خاص کر کراچی کے رہائشی اشخاص کا رشتہ درکار ہے۔

خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں۔

0300-3716792

0321-2492757

ضرورتِ رشتہ

لڑکی عمر تقریباً 27 سال، تعلیم M.Phil، سمارٹ، لیکچرار گورنمنٹ کالج، اعوان فیملی، سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں اور پنڈی، اسلام آباد یا قرب و جوار کے رہائشیوں کو ترجیح دی جائے گی۔

خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں۔

0321-5857821, 0347-3170127

بشارتِ نبوی ﷺ سے متعلق ایک گمراہی کا رد

مولانا رشید احمد فریدی
مدرسہ مفتاح العلوم تراج، سورت

بشکریہ ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند

تمہید

رحمۃ اللعالمین، سید المرسلین، شفیع المذنبین، سرورِ کائنات، موجودات محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ کی عظمت ومحبت اور تکریم وتوقیر کا خاص جذبہ اہلِ ایمان کے قلوب میں ہمیشہ موجود رہتا ہے اور آپ ﷺ کی ذات سراپا کمالات کا ایک ایک جز ہی نہیں ایک ایک ادا، اس قدر عظیم ہے کہ دُنیا کی دولت کیا ایک مؤمن اس کی عظمت پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، بھلاوہ کب رسول اللہ ﷺ کے حق میں بے ادبی گوارہ کرسکتا ہے۔

عرض یہ ہے کہ رمضان المبارک 1433ھ سے کچھ عرصہ پہلے بلساڑ (گجرات) میں ''فاتی والا'' خاندان کے ایک شخص کے متعلق چرچا شروع ہوگیا تھا، بڑھتے بڑھتے 1434ھ کے فریضۂ حج کے بعد سے اعتقاد کا بازار گرم ہونے لگا؛ چنانچہ لوگ فاتی والا کی ملاقات کے لیے بلساڑ کا رُخ کرنے لگے۔ آنے والوں کے سامنے ایک تسبیح زیارت کے لیے پیش کی جاتی تھی اور ساتھ ساتھ یہ کہا جاتا کہ یہ تسبیح حضور ﷺ کی طرف سے پہنچی ہے، عقیدت سے زیارت کے لیے جانے والوں میں کثرت سے عورتیں بھی ہوتی ہیں، آنے والوں کے سامنے صاحبِ واقعہ کے متعلق عجیب وغریب من گھڑت واقعات خواب کے روپ میں بتائے جاتے۔ بالآخر بہت سارے واقعات میں سے تہتر کو قلم بند کر کے کتابی شکل میں مرتب کرلیا گیا اور پھر رمضان 1434ھ سے چند دن قبل شہر سورت میں "دُرُّ الحرمین فی مبشّرات رسولِ الثقلین" کے نام کتاب کا اجراء ہوا۔

شوال 1434ھ میں ایک عالم نے مذکورہ کتاب راقم کو یہ کہہ کر دی کہ اس میں تو عجیب وغریب باتیں ہیں، تاکہ میں ان کو مطالعہ کے بعد حقیقت سے آگاہ کروں۔ چند دن کے بعد ہمارے مدرسہ کے ایک مدرس بھی یہی کتاب لے کر آئے اور کہنے لگے کہ اس میں حضور ﷺ کے خلاف عجیب عجیب باتیں لکھی ہیں، جب میں نے مطالعہ شروع کیا تو عجائب سے بڑھ کر مفاسد سامنے آتے گئے، یہاں تک کہ اس کی تردید ضروری معلوم ہوئی؛ چنانچہ میں نے پوری کتاب مکمل گہری نظر سے پڑھی، اور عام مسلمان کے اعتقاد کی حفاظت کے لیے اور فتنہ سے بچانے کی غرض سے تفصیلی وتحقیقی جائزہ پیش کیا ہے؛ تاکہ مذکورہ کتاب کے اندر حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ساتھ جو بے ادبیاں اور آپ ﷺ کے حقوق یعنی محبت وعظمت کی ناقدریاں؛ بلکہ آپ ﷺ کے عالی مقامی کے ساتھ جو گستاخیاں موجود ہیں، ان سب کو دفع کیا جائے اور ان من گھڑت چیزوں سے آپ ﷺ کی ذاتِ عظیم کی برأت ظاہر کی جائے۔

صاحبِ واقعہ ایک سلسلۂ طریقت سے منسلک ہیں اور خواب میں رسول ﷺ کی زیارت کے بجائے بیداری میں دیکھنے کا ذکر کرتے ہیں، نیز توجہات کے حصول کا شوق ہے اور علمِ شریعت سے بے خبر ہیں، ایسی صورت میں نفس وشیطان کے مکروفریب کا خطرہ زیادہ لگا رہتا ہے اور ان کو بیجا مقام اور عہدہ کے دعویٰ میں مبتلا کر دیتا ہے اور بعض لوگ بغیر دعویٰ کے اپنے مخصوص افکار کے لیے مبشرات وکشوف کو دلیل میں پیش کرتے ہیں اور اس کے مطابق یقین رکھتے ہیں؛ اس لیے اصل

کتاب کے ردّ سے پہلے چند اُمور بطور مقدمہ کے لکھنا ضروری ہوا۔

مبشرات پر چند کتابیں

کتاب کے نام (درالحرمین فی مبشرات رسول الثقلین) سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر کیے ہوئے واقعات کا تعلق خواب میں حضور ﷺ کی زیارت سے ہے؛ اس لیے کہ ایسے ہی خوابوں کو مبشرات کہا کرتے ہیں۔ اور ''مبشرات رسول ﷺ'' پر اہلِ علم نے مستقلاً بھی کتابیں تالیف کی ہیں، جیسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ''فیوض الحرمین'' ہے اور شاہ ہدایت علی نقشبندیؒ کی 'فتوح الحرمین'' ہے۔ اور چوں کہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہادیٔ محض ہے؛ اس لیے خوش قسمت لوگوں کی زندگی کے مختلف احوال میں ہدایت ورہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ خواب میں آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف فرماتے ہیں جو ایک بڑی سعادت ہے۔ یہ بھی نبی آخر الزماں ﷺ کی سیرت کا ایک خاص پہلو ہے؛ چنانچہ بعض اہلِ علم نے اُمت کے بیشمار عمدہ خوابوں میں سے قابلِ ذکر خوابوں کا انتخاب ''سیرت النبی ﷺ بعد از وصال النبیؐ'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ اور خوابوں کی تعبیر کے سلسلہ میں اس فن کے امام حضرت محمد بن سیرین تابعیؒ کی کتاب ''تعطیر الانام فی تعبیر المنام'' اور علامہ عبدالغنی نابلسی کی کتاب ''تعطیر الانام بتعبیر المنام'' اصولی اور بنیادی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی زیارت پر خواب یا بیداری میں محققین علمائے اسلام نے عمدہ کلام کیا ہے اور ہر زمانہ میں ایسے اہلِ علم وفضل گزرے ہیں جنہیں خوابوں کی تعبیر میں کمال حاصل تھا، مثلاً ماضی قریب میں مفتی اعظم ہندو دارالعلوم دیوبند، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ گزرے ہیں۔

کذب علی النبی کی وعید اور اس کی حرمت

اِنَّ مَذْهَبَ اَهْلِ الْحَقِّ اَنَّ الْكِذْبَ هُوَا لْاَخْبَارُ عَنِ الشَّيْءِ بِخِلَافِ مَا هُوَا عَمْدًا كَانَ أَوْ سَهْوًا أَوْ غَلَطًا (نووی) یعنی خارج میں جو حقیقت یا جو شئے جس طرح سے ہے، اس کے خلاف خبر دینا اگرچہ بلا ارادہ ہو ''کذب'' کہلاتا ہے اور قصداً ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے اور جاننا چاہیے کہ حضور ﷺ کی طرف خلافِ واقعہ کوئی فعل، یا کلام کی نسبت کرنا یعنی آپ ﷺ کی طرف سے بیان کرنا؛ حالانکہ وہ حضور ﷺ کی طرف سے پیش نہیں آیا ہے، یہ کذب علی النبی کہلاتا ہے اور حضور ﷺ پر جھوٹ بولنا اکبر الکبائر میں سے ہے، اس پر جہنم کی سخت وعید آئی ہے۔

حدیث شریف میں ہے مَنْ حَدَّثَ عَنِّي حَدِيْثًا يَرَىٰ اَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ جو شخص حضور ﷺ کی طرف سے کوئی بات نقل کرے دراں حالے کہ وہ سمجھ رہا ہے کہ خلاف واقعہ ہے تو یہ شخص جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يَّقُوْلَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو کہا کرے۔ اسی طرح یہ بھی حدیث میں ہے اِنَّ اَفْرَى الْفِرٰى اَنْ يُّرِىَ عَيْنَيْهِ مَا لَمْ تَرَيَا یعنی جو واقعہ خواب میں نہیں دیکھا ہے، اس کو خواب کی طرح بیان کرنا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے لَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّكْذِبُ عَلَيَّ يَلِجُ النَّارَ. مجھ پر جھوٹ نہ بولو؛ اس لیے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے گا، وہ جہنم میں داخل ہوگا، نیز حدیث شریف میں ہے اِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلٰى اَحَدٍ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ بولنا ایک دوسرے پر جھوٹ بولنے کی طرح نہیں ہے، پس جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ کہا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ یہ حدیث فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا الخ متواتر ہے اور کذب علی النبی کی حرمت پر اُمت کا اجماع ہے، خواہ کذب کا تعلق احکام سے ہو یا فضائل اعمال سے (مقدمہ مسلم مع شرح النووی) اور جب دین میں حرام ہے تو کسی شخص کی ذاتی فضیلت اور خصوصیت کے لیے جھوٹے واقعہ کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرنا بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔

زیارتِ رسول ﷺ کی سعادت اختیاری نہیں ہے

خواب میں حضور ﷺ کی زیارت واقعی ایک عظیم سعادت

اور معنوی دولت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا، تحقیق کہ اس نے حق دیکھا یعنی واقعی اس نے حضور ﷺ ہی کو دیکھا، دوسری حدیث میں ہے جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقت میں مجھ کو ہی دیکھا؛ اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا، ایک اور حدیث میں ہے جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا، وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا؛ اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا؛ لیکن یہ نعمت محض عطیۂ خداوندی ہے، بندہ کے کسب واختیار کو ہرگز دخل نہیں ہے (فیض الباری) اور ایمان وعملِ صالح نہ خواب کی شرط ہے، نہ ہی کفر وفسق اس کے لیے مانع ہے اور نہ ہی نبی کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی کے خواب میں آکر اس کی بشارت وسعادت کا ذریعہ ہوں اور جب نبی کے اختیار میں نہیں تو کسی بھی ولی کو کب یہ اختیار مل سکتا ہے؟ بلکہ محض قادرِ مطلق، فاعلِ مختار اور علیم وخبیر ذات اپنے بندوں میں سے جس کو جب، جہاں اور جس قدر سعادت سے نوازنا چاہے، وہ اپنی قدرت وارادہ سے اس کے اسباب پیدا کردیتی ہے، خواب بھی ایک سبب بن جاتا ہے، جو من جانب اللہ پیش آتا ہے، اس کا نہ کوئی معمول ہے، نہ اس کے لیے کوئی زمان ومکان متعین ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ جس کو بیداری میں یہ شرف نصیب نہ ہو (جیسا کہ صحابۂ کرامؓ کو حاصل ہے) اس کے لیے بجائے اس کے خواب میں زیارت سے مشرف ہوجانا سرمایۂ تسلی اور فی نفسہ ایک نعمتِ عظمیٰ اور دولت کبریٰ ہے اور اس سعادت میں اکتساب کو اصلاً دخل نہیں ہے، محض موہوب ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

(نشر الطیب ص193)

بیداری میں زیارتِ رسول ﷺ کی اہلیت وصلاحیت

حضور ﷺ کی زیارت کرنے والوں کی چار حالتیں ہیں: (1) حالت خواب میں چشمِ دل سے (2) خواب وبیداری کی درمیانی حالت میں چشمِ دل سے (3) بحالتِ بیداری چشمِ دل سے بطور مکاشفہ (4) بحالت بیداری چشم ظاہر سے مکاشفہ کی انتہائی نادر صورت۔ خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت عوام وخواص ہر ایک کو ہوتی ہے بیداری وخواب کی درمیانی حالت میں زیارت اہلِ تقویٰ یعنی خواص اُمت کو ہوتی ہے۔ اور بیداری میں زیارت اگرچہ ممکن ہے؛ مگر یہ اخص الخواص لوگوں کو ہوسکتی ہے، جیسا کہ علامہ انور شاہ کشمیری کا بیان فیض الباری میں ذکر کیا ہے اور شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے۔ ان چاروں میں سے صرف پہلی صورت میں رویت (دیدار) کی ضمانت لی گئی ہے اور سماعِ کلام کی ضمانت کسی بھی حالت میں نہیں ہے۔

امام غزالیؒ "المنقذ من الضلال" میں صوفیائے کاملین کی بلیغ تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں فَإِنَّ جَمِيعَ حَرَكَاتِهِمْ وَسَكَنَاتِهِمْ فِي ظَوَاهِرِهِمْ وَبَوَاطِنِهِمْ مُقْتَبَسٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ النبوةِ نُورٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ .... (الٰی ان قال) .... حَتّٰى اَنَّهُمْ فِيْ يَقْظَتِهِمْ يُشَاهِدُوْنَ الْمَلَائِكَةَ وَاَرْوَاحَ الْاَنْبِيَاءِ الخ: یعنی صوفیائے کاملین کی تمام حرکات وسکنات مشکوٰۃ نبوت سے منور ہوتی ہیں، یہاں تک کہ یہ حضرات بیداری میں فرشتوں اور انبیاء کی روحوں کا مشاہدہ کرتے ہیں (تنویر الحلک فی رؤیۃ النبی والملک من الحاوی للفتاویٰ)

وَفِي الْمَدْخَلِ لِابْنِ حَاجِّ الْمَالِكِي: رُؤْيَةُ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْيَقْظَةِ بَابٌ ضَيِّقٌ وَقَلَّ مَنْ يَقَعُ لَهُ ذٰلِكَ إِلَّا مَنْ كَانَ عَلٰى صِفَةٍ عَزِيْزٍ وُجُوْدُهَا فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ بَلْ عَدَمَتْ غَالِبًا مَعَ اَنَّنَا لَا نُنْكِرُ مَنْ يَقَعُ لَهُ هٰذَا مِنَ الْاَكَابِرِ الَّذِيْنَ حَفِظَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ ظَوَاهِرِهِمْ وَبَوَاطِنِهِمْ. ابن حجر مکیؒ مدخل کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ بیداری کی حالت میں حضور ﷺ کی زیارت کا باب بہت تنگ ہے اور یہ سعادت نہیں ملتی؛ مگر ایسے اوصاف

کے حامل ہوں کہ جن صفات کا ہونا موجودہ زمانہ میں نادر؛ بلکہ معدوم ہے، اس کے باوجود ہم انکار نہیں کرتے ان اکابرِ اُمت یعنی اخص الخواص حضرات کا جن کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن میں معاصی سے محفوظ رکھا ہے اور انہیں بیداری میں زیارت نصیب ہوئی ہے (الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر ص212)

وہ صفات کیا ہیں، جن کا پایا جانا غیر ممکن نہیں و معدوم ضرور ہے، ابن حاج مالکیؒ اور ابن حجر مکیؒ نے اسے یہاں بیان نہیں کیا ہے؛ البتہ فراستِ ایمانی یا مکاشفۂ روحانی کے لیے جو صفات ذکر کیے گئے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے، ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور شیخ عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں: جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سرکار دو عالم ﷺ کو بیداری میں دیکھتا ہے تو اس کے متعلق عارفین کا قول یہ ہے کہ اس کے دعویٰ کو دلیل کے بغیر قبول نہ کیا جائے اور وہ دلیل یہ ہے کہ وہ ایک کم تین ہزار مقام طے کر چکا ہو اور مدعی کو ان مقامات کے بیان کرنے کو کہا جائے (مقدمہ سیرت النبی بعد از وصال النبی ص 41)

ابن حجر مکی: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقْظَةِ کے متعلق احادیث بخاری کے شارح ابن ابی جمرہؒ کی بات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں .... وَاَمَّا غَيْرُهُمْ فَيَحْصُلُ لَهُمْ ذٰلِكَ قَبْلَ ذٰلِكَ قَبْلَ ذٰلِكَ (الموت) بِقِلَّةٍ اَوْ بِكَثْرَةٍ بِحَسَبِ تَأَهُّلِهِمْ وَتَعَلُّقِهِمْ اِتِّبَاعَهُمْ لِلسُّنَّةِ اِذِ الْاِخْلَالُ بِهَا مَانِعٌ كَبِيْرٌ حاصل یہ کہ عوام کا تو کیا اعتبار خواص اُمت کے حق میں بھی موت سے پہلے بیداری میں رویتِ نبی ﷺ کے لیے اعلیٰ درجہ کی اہلیت اور کمال اتباعِ سنت کا ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ سنت میں ادنیٰ کوتاہی بھی اس کے لیے بہت بڑا مانع ہے۔ (الفتاویٰ الحدیثیہ ص212)

رویت صورتِ مثالیہ کی ہوتی ہے

جمہور علماء شریعت اور صوفیاء طریقت کے نزدیک زیارتِ رسول ﷺ جس حالت میں بھی ہو آپ ﷺ کی صورتِ مثالیہ کی ہوتی ہے نہ کہ حقیقی صورت کی جو قبر اطہر میں آرام فرما ہے۔ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں هَلِ الرُّؤْيَةُ لِذَاتِهِ ﷺ بِجِسْمِهٖ وَرُوْحِهٖ اَوْلِمِثَالِهٖ؟ اَلَّذِيْنَ رَأَيْتُهُمْ مِنْ اَرْبَابِ الْاَحْوَالِ يَقُوْلُوْنَ بِالثَّانِيْ وَبِهٖ صَرَّحَ الْغَزَالِيُّ فَقَالَ لَيْسَ الْمُرَادُ اَنَّهٗ يَرٰى جِسْمَهٗ وَبَدَنَهٗ بَلْ مِثَالًا (تنویر الحلک) شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: حاصل کلام یہ ہے حضرت نبی رحمت ﷺ کو دیکھنا مثالی صورت میں ہے جیسا کہ خواب میں آپ ﷺ کی مثال شریف کا دیدار ہوتا ہے، جاگتے میں بھی مثال شریف کا دیدار ہوتا ہے اور وہ مبارک وجود جو مدینہ منورہ میں قبر اطہر کے اندر آرام فرما ہے اور زندہ ہے، مثالی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک وقت میں کئی مثالی وجود عوام کو خواب میں اور خواص کو جاگتے میں نظر آتے ہیں۔ سوال و جواب کے وقت قبر میں بھی آپ کی مثالی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ (مدارج النبوۃ ص 1/76، الفتاویٰ الحدیثیہ ص213)

پس تحقیق یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی رویت منامی کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ ﷺ کو بعینہٖ دیکھا؛ چونکہ کبھی تو آپ ﷺ کی صورت و روحانیتِ مبارکہ کی تمثالی حقیقت و صورت دکھائی جاتی ہے اور وہ ہم سے مخاطب بھی ہوتی ہے تو کبھی روحِ مبارک خود ہی بدنِ مثالی کے ساتھ خواب میں آتی ہے (بوادر النوادر ص293)

اور متقدمین و متاخرین میں سے بعض اکابر جو اس بات کے قائل ہیں کہ عین جسمِ اطہر جو روحِ مصطفی ﷺ کا بدنِ مبارک ہے اور قبر شریف میں مستور ہے، اس کی زیارت ہوتی ہے تو یہ قول شاذ ہے۔

صورت مثالیہ کی شان اور مقام

حضرت صحابہؓ کو خاتم النبیین ﷺ کی حیات طیبہ اور ذات مبارکہ اور جسمِ اطہر کو اپنی ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کا شرف حاصل ہے، مگر اس کے بعد تابعین سے لے کر آج تک (اور آئندہ بھی) لوگوں کو خواب میں دیدار کی جو سعادتِ عظمیٰ حاصل ہے (یا ہوگی) وہ سب آپ ﷺ کی صورتِ مثالیہ ہی کے دیدار سے وابستہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا قرب، روحانی ترقی کا زینہ، قیامت میں شفاعت کا

استحقاق، حسنِ خاتمہ کی علامت، دخولِ جنت کا ایک سبب یہ سب بشارتیں اسی صورتِ مثالیہ کے ساتھ قائم ہیں۔ بیماروں کو صحت کی برکت، پریشان حال کو عافیت کی دولت، محبوسوں کو رہائی کا پروانہ اور لشکرِ اسلام کو فتح ونصرت کا مژدہ وغیرہ ہزاروں فوائد؛ غرض ہر طرح کے طالب صادق کو بذریعہ خواب جو نعمتیں حاصل ہوئی ہیں، وہ سب اسی صورت مثالیہ ہی کی برکت ہے اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ شیطان کو نبی کی صورت میں متمثل ہونے کی قدرت نہیں دی گئی؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہادیٔ محض ہے اور شیطان ضالِ محض ہے اور یہ صورت مثالیہ آلہ وآئینہ ہے ذات مبارکہ کی معنویت کے ظہور کا وَصَارَ ذٰلِكَ الْمِثَالُ آلَةً يَتَأَدّٰى بِهَا الْمَعْنَى الَّذِيْ فِيْ نَفْسِهٖ (تنویر الحلک) لہٰذا صدق وعصمت کا لزوم اور محبت وعظمت کے حقوق، احترام وتوقیر کے احکام اس صورت مثالیہ کے ساتھ بھی واجب ہیں بلکہ: إِذَا لَمْ تُخَالِفْ حُكْمًا ظَاهِرًا مِنَ الشَّرْعِ حُسْنُ الْعَمَلِ بِهَا أَدَبًا مَعَ صُوْرَتِهٖ ﷺ (فیض الباری) کوئی فرمان ذیشان کا ظہور ہو اور (چونکہ شیطان آواز میں مشابہت کر کے مغالطہ دے سکتا ہے؛ اس لیے) ظاہری شریعت کے خلاف نہ ہو تو اسی صورتِ مثالیہ کے ساتھ ادب کا تقاضا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ نیز بے ادبی اور گستاخی جائز نہ ہوگی؛ کیونکہ صورت کی اہانت معناً ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی طرف مشیر؛ بلکہ دلیل ہے؛ اس لیے کہ صورت کو ذات سے ملابست ہے حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مثالیہ کو ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عنوان اور معنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمان ہونے کی وجہ سے انتہائی اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہے جو غیر نبی کی صورت کو نہیں ہے۔

رویت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت اور دل کی شہادت

خواب میں زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث: (1) مَنْ رَآنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِيْ (2) مَنْ رَآنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ کے پیش نظر محققین اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ جس حلیہ میں بھی دیکھا اور دل نے کہا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو واقعتاً اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے، جو دیکھنے والے کے حق میں سعادت ہے، اس میں انسان کے اختیار کو دخل نہیں ہے۔ (فیض الباری: ص 203، ج1)

خواب میں زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی نے حضرت تھانویؒ سے سوال کیا کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ یہ آپ علیہ السلام ہی ہیں؟ فرمایا کہ علم ضروری (بدیہی) کے طور پر اگر قلب گواہی دے دے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں تو بس کافی ہے (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ص 48/ نشر الطیب)

یعنی دیکھتے ہی بغیر تامل کے دل میں آ جائے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو یقیناً اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا؛ اس لیے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان ہی نہیں؛ بلکہ کائنات کی ہر شے میں ودیعت فرمائی ہے، جیسا کہ احادیث وواقعات شاہد ہیں، مثلاً ابوجہل مٹھی میں کنکر لے کر آیا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بتاؤ میری مٹھی میں کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کہوں کہ تیری مٹھی میں کیا ہے یا تیری مٹھی میں جو ہے وہی بتا دے کہ میں کیا ہوں؟ بس کنکر نے کلمۂ شہادت پڑھا (دلائل النبوۃ) یہی وجہ ہے کہ خواب میں دیکھنے والے کا صرف یہ خیال کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہے، حق ہونے کیلئے کافی ہے یعنی اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دیکھا ہے، پس یہ احتمال صحیح نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے اور نہ پہچانے۔ ورنہ زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف رویت کی ضمانت نہ ہوتی۔ (ملحوظ رہے کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رویت کے صحیح ہونے کی اطلاع دی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کچھ میں خواب میں کہوں گا وہ بھی حق ہے (نوادرات کشمیری ص 292) یہ رویت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔

سماعِ کلام کی ضمانت نہیں ہے

جہاں تک کلامِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے کا مسئلہ ہے تو فقہائے محدثین فرماتے ہیں کہ خواب میں دیکھنے والا اگر کچھ کلام بھی سنتا ہے تو اسے قرآن وحدیث پر پیش کیا جائے گا، اگر شریعت کے خلاف ہے تو

اس کا اعتبار نہیں ہے۔ پس عمل قرآن وسنت ہی پر کیا جائے گا، اس لیے کہ شیطان کو نبی کی صورت گھڑنے کی تو مطلقاً قدرت نہیں ہے، مگر آواز میں تصرف کرسکتا ہے اور دیکھنے والے کے دل میں یہ خیال ڈال سکتا ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ نبی کا کلام سن رہا ہے؛ کیونکہ حدیث شریف میں خواب میں رویت کی ضمانت لی گئی ہے، سماع کلام کی ضمانت نہیں ہے۔

(1) علامہ انور شاہ کشمیری کا بیان ہے وَلَمَّا ضَيَّقَ الْأَوَّلُوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ وَقَيَّدُوْهَا بِتَقْيِيْدَاتٍ وَسَّعُوْا فِيْ اِعْتِبَارِ اَقْوَالِ الْحِلْيَةِ بِخِلَافِ الْجُمْهُوْرِ فَاِنَّهُمْ اِذَا وَسَّعُوْا فِيْ اَمْرِ الرُّؤْيَةِ ضَيَّقُوْا فِيْ اِعْتِبَارِ تِلْكَ الْاَقْوَالِ وَلٰكِنَّهَا تُعْرَضُ عَلَى الشَّرِيْعَةِ عِنْدَ جَمِيْعِهِمْ فَاِنْ وَافَقَتْ قُبِلَتْ وَاِلَّا فَلَا (فیض الباری ج ا، ص 203) یعنی خواب میں رویتِ نبی ﷺ کے متعلق سلف کی ایک جماعت کا نظریہ سخت احتیاط والا تھا کہ خواب میں حضور ﷺ کا دیکھنا اسی وقت معتبر ہوگا جب کہ دیکھنے والا اس حلیہ میں دیکھے جو شمائل میں مذکور ہے، اس میں ذرا بھی فرق آیا تو کہہ دیتے کہ اس نے نبی کو نہیں دیکھا، اتنی شدت وہ کلام میں نہیں کرتے تھے، بخلاف جمہور کے کہ انہوں نے رویت کے بارے میں وسعت کر دی کہ خواب میں نبی کریم ﷺ کو جس حلیہ میں دیکھا اگر اس کے دل میں آیا کہ وہ نبی ﷺ کو دیکھ رہا ہے تو بس واقعی اس نے نبی کو دیکھا؛ البتہ سنے ہوئے کلام کے اعتبار میں شدت اختیار کرتے ہیں کہ دیکھنے والے نے جو کلام سنا ضروری نہیں کہ وہ نبی کا کلام ہو؛ کیونکہ شیطان خواب میں بھی آواز میں مشابہت کر کے مغالطہ میں ڈال سکتا ہے؛ لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے خواب میں جو کچھ فرمایا وہ شریعت کی کسوٹی پر پرکھے جائیں گے۔

(2) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: علمائے محققین نے فرمایا کہ خواب میں حضرت رسول مقبول ﷺ سے سنا ہوا کلام آپ کی سنت کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے، اگر سنت کے موافق ہے تو صحیح ہے اور اگر مخالف ہے تو خواب میں دیکھنے والے کی سماعت کا تصور ہے (سیرت ص 33 بحوالہ فیض الباری)

(3) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ خواب میں رسول مقبول ﷺ کو دیکھنے سے متعلق کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ تو ممکن نہیں کہ شیطان خبیث اپنی صورت آپ ﷺ کی سی بنا سکے اور خواب میں دکھا سکے؛ البتہ مغالطہ دے سکتا ہے اور صحیح خواب میں بھی کبھی شیطان ایسا کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی آواز اور بات کے مشابہ شیطان بات کرتا ہے اور وسوسہ ڈالتا ہے (فتاویٰ عزیزی، ص 385 بحوالہ مقدمہ سیرت، ص 42)

(4) امام نوویؒ نے تہذیب الاسماء اللغات کے شروع میں حضور ﷺ کے خصائص میں لکھا ہے کہ شیطان آپ ﷺ کی صورت اختیار نہیں کرسکتا؛ لیکن اس خواب دیکھنے والے نے اگر کوئی چیز خواب میں احکام سے متعلق سنی تو اس پر عمل جائز نہیں ہے، نہ اس وجہ سے کہ خواب میں کوئی تردّد ہے؛ بلکہ اس وجہ سے کہ دیکھنے والے کا ضبط معتمد نہیں ہے (سیرت النبی: ص 45)

(5) ابن امیر حاج مدخل میں لکھتے ہیں: اس سے بہت احتراز کرنا چاہیے کہ خواب میں یا غیبی آواز سے جاگتے میں کسی ایسی چیز کی طرف قلب کو طمانیت اور سکون ہو جو صدر اوّل کے خلاف ہو (سیرت ص 44)

(6) فَمَا ثَبَتَ عَنْهُ يَقْظَةً لَا يُتْرَكُ بِمَا رَاٰى مَنَامًا آپ ﷺ سے جو احوال اور احکام بیداری میں یعنی آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ثابت ہو چکے ہیں اسے خواب میں دیکھے اور سنے ہوئے کلام کے ذریعہ ترک نہیں کیا جائے گا (فیض الباری)

(7) شاہ ہدایت علی جے پوری نقشبندیؒ لکھتے ہیں: جو کشف یا خواب یا آوازِ غیب، خلاف قرآن وحدیث پاک کے ہو وہ قطعی ماننے کے لائق نہیں اور جس کشف، ادراکِ خواب، یا واقعات کی تصدیق قرآن پاک اور حدیث شریف سے ہو وہ قابل ماننے کے ہیں۔ حضور ﷺ جو کچھ اس عالم شہادت میں فرما چکے ہیں، اس کے خلاف حضور ﷺ کبھی نہیں فرمائیں گے۔ اسی واسطے تمام علمائے حقانی، عرفائے ربانی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اپنے کشف کو اپنے خوابوں کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر اور جو کسوٹی پر کھرے اُترے وہی کھرے ہیں ورنہ کھوٹے (فتوح الحرمین ص 55، 58) (جاری ہے)

ذکرِ خفی

مولانا محمود خالد، بہاولپور

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (سورۃ الاعراف:55)

"اپنے پروردگار کو عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارو"

اکثر مفسرین یہاں "اُدْعُوْا" سے 'دعا' مراد لیتے ہیں بعض 'عبادت' اور بعض 'ذکر' بعض کوئی سے دو اور بعض تینوں۔

شیخنا المکرم حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ رقم فرماتے ہیں۔

"لفظ 'دعا' طلب حاجات اور عبادات دونوں کو شامل ہے نیز مطلق یاد کرنا بھی مراد ہے یعنی اسے یاد کرتے رہو، اسی سے مانگو اور اسی کی عبادت کرو...... اور اس سے مراد ذکر الٰہی بھی ہے جو عجز کے ساتھ اور خفی کیا جائے صوفیائے کرام میں ذکر جہر بھی ہے...... مگر ذکر خفی کی فضیلت بہرحال ثابت ہے۔

حدیث میں وارد ہے خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي۔ یعنی بہترین ذکر خفی ہے اور بہترین رزق جو انسان کا گزارہ کر سکے"

(اسرار التنزیل: ج2، ص378)

"یہاں سے صوفیاء نے ذکر خفی کا اُصول لیا ہے۔ آپ ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے، ذکر خفی ذکر جہر سے ستر گنا بہتر ہے۔ یاد رہے کہ ذکر کی کئی صورتیں ہیں۔ دعا بھی ذکر ہے، صلوٰۃ و تلاوت قرآن بھی ذکر ہے، شریعت پر عمل بھی ذکر ہے، درود شریف اور مسنون دعائیں پڑھنا بھی ذکر ہے لیکن ذکر قلبی وہ ذکر ہے جو قرآن کریم کے حکم، ذکر کثیر کو پورا کرتا ہے۔ جب قلب ذاکر ہو جاتا ہے تو پورے وجود کو ذاکر کر دیتا ہے۔ بدن کا ذرہ ذرہ اللہ کے نام سے منور ہو جاتا ہے۔ جب ذکرِ دوام نصیب ہو جائے جب قلب ہمہ وقت ذکر کرے تب ذکر کثیر کی شرط پوری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے میں اس کی استعداد رکھی ہے۔ اب یہ فیصلہ بندے کا ہے کہ وہ اس استعداد کو استعمال کر کے ہمہ وقت قلب سے متوجہ الی اللہ رہے۔"

(اکرم التفاسیر: ج8، ص301)

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں۔

"حضرت ابوھریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں اپنے بندہ کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں۔ اگر وہ میری یاد دل میں کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر اپنے باطن میں کرتا ہوں۔ اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے برتر ہوتی ہے۔" (متفق علیہ)

علماء کا اجماع ہے کہ سرّی ذکر افضل ہے...... ذکر میں اصل اخفا ہے...... سرّی ذکر افضل ہے، صحابہؓ اور تابعینؒ کا اسی پر اتفاق رہا ہے۔

اور بہترین رزق وہ ہے جو بقدر کفایت ہو۔ (رواہ احمد و ابن حبان: فی صحیحہ والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوموسیٰؓ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر پر جہاد کیا تو راستہ میں مسلمان ایک وادی سے گزرے اور انہوں نے چلا کر تکبیریں کہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اپنے لیے سکون اختیار کرو۔ تم کسی بہرے یا غیر حاضر کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے۔ (رواہ البغوی)

ذکر کی تین اقسام ہیں...... (۳) بغیر زبان کے صرف قلبی اور روحی اور نفسی ذکر کرنا، یہی ذکر خفی ہے۔ جس کو اعمال نامے لکھنے والے

فرشتے بھی نہیں سُن پاتے۔ ابو یعلیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ذکر خفی جس کو اعمال ناموں کو لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سُن پاتے (ذکر جلی سے) ستر ہزار درجے فضیلت رکھتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ حساب کے لیے سب لوگوں کو جمع کرے گا اور فرشتے اعمال نامے اور تمسکات لے کر حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا، دیکھو اس بندہ کی کوئی چیز رہ تو نہیں گئی، فرشتے عرض کریں گے، ہم کو جو بھی معلوم ہوا اور ہماری نگرانی میں جو کچھ ہوا، ہم نے سب کا احاطہ کر لیا اور لکھ لیا، کوئی بات نہیں چھوڑی۔ اللہ فرماتا ہے اس کی ایک نیکی ایسی بھی ہے جس کا تم کو علم نہیں میں تم کو بتاتا ہوں وہ نیکی ذکر خفی ہے۔ میں کہتا ہوں اس ذکر کا سلسلہ نہیں ٹوٹتا، نہ اس میں کوئی سستی آتی ہے (یعنی ذکر قلبی ہمہ وقت جاری رہ سکتا ہے) (تفسیر مظہری: ج4، ص312، 317، 319)

شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں۔

"حدیث پاک میں آتا ہے خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ بہترین ذکر آہستہ کرنا ہے اور یہ بھی حدیث ہے کہ آہستہ ذکر کرنا اونچی ذکر کرنے سے ستر درجے زیادہ ہے۔" (ذخیرۃ الجنان: ج7، ص102)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں۔

"اگر ذکر کے معنی اس جگہ ذکر و عبادت کے لیے جاویں تو اس میں بھی علماء سلف کی تحقیق یہی ہے کہ ذکر سر، ذکر جہر سے افضل ہے۔

امام احمد بن حنبل، ابن حبان، بیہقی وغیرہ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ وَخَیْرُ الرِّزْقِ مَا یَکْفِی۔ یعنی بہترین ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو انسان کے لیے کافی ہو جائے" (معارف القرآن: ج3، ص578-579)

حضرت مولانا محمد نعیم صاحب شیخ الحدیث (وقف) دیوبند "معارف القرآن" کی اسی عبارت کے مفہوم، انوار القرآن: ج 3، ص466 پر لکھنے کے بعد "عرفان و سلوک" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً میں طریق جلوت و خلوت کی طرف اشارہ ہے۔ نیز ذکرِ قلبی اور سلطان الاذکار کی طرف بھی اشارہ ہے جس میں سارے اعضاء مشغول ذکر ہوتے ہیں۔ (انوار القرآن: ج3، ص474)

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ لکھتے ہیں، دُعا اور ذکر کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ چپکے چپکے اور پوشیدہ طور پر ہونا چاہیے۔ قرآن و سنت میں اس کی صراحت موجود ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔

مخفی ذکر کی فضیلت کے متعلق حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ وَخَیْرُ الرِّزْقِ مَا یَکْفِی۔ بہتر ذکر وہ ہے جو پوشیدہ ہو اور بہتر روزی وہ ہے جو انسان کے لیے کفایت کر جائے۔

دوسرے مقام پر یہ بھی آتا ہے "وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِی نَفْسِکَ (الاعراف) اپنے رب کو اپنے جی میں یاد کرو، آگے وَدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ کے الفاظ بھی آتے ہیں یعنی بلند آواز سے یاد نہ کریں مقصد یہ ہے کہ آہستہ ذکر زیادہ افضل ہے۔

صحیح احادیث میں آتا ہے کہ بعض مواقع پر جب صحابہ کرامؓ نے بلند آواز سے ذکر کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمًّا وَّ لَا غَائِبًا اپنے نفسوں پر نرمی کرو، تم کسی ایسی ہستی کو نہیں پکار رہے ہو جو معاذ اللہ بہری یا غائب ہو، بلکہ تم تو سمیع اور قریب ہستی کو پکار رہے ہو، جو ہر بات کو سنتی ہے۔ قاضی صاحب (ثناء اللہ پانی پتیؒ) فرماتے ہیں کہ ذکر کا تیسرا مرتبہ روح اور نفس کے ساتھ ذکر کرنا ہے اور یہ بالکل ہی پوشیدہ ہوتا ہے۔ سند ابو یعلیٰ میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مخفی ذکر جہر ذکر سے ستر مرتبہ زیادہ افضل ہے۔ فرمایا، قیامت والے دن ایک شخص کا حساب کتاب پیش ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اعمال لکھنے والے اور نگرانی کرنے والے فرشتوں سے فرمائیں گے کہ اس شخص کا اگر کوئی اور عمل ہے تو لے آؤ۔ فرشتے عرض کریں گے باری تعالیٰ اس کا کوئی عمل باقی نہیں رہا، ہم

نے تمام عمل جو لکھے تھے پیش کر دیے ہیں۔
اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے فرشتو! اس شخص کا ایک ایسا عمل بھی ہے جسے تم نہیں جانتے، اسے میں جانتا ہوں۔ یہ اس کا قلب و روح کے ساتھ ذکر ہے جو تم نے نہیں لکھا مگر میرے علم میں ہے۔ (مَعَالِمُ الْعِرْفَان: ج 8، ص 192 تا 200)

مفسرین کرام نے قرآن وحدیث کے ان واضح ارشادات کی روشنی میں ذکر خفی کی افضلیت بیان فرمائی ہے نیز ان عبارات سے واضح ہے کہ اسی ذکر کے مختلف نام ہیں جیسے سری، قلبی، روحی، نفسی اور سلطان الاذکار وغیرہ۔

اس ذکر خفی قلبی کو سیکھنے کا طریقہ پاس انفاس ہے، جو اکابر علماء ربانی کا معمول رہا ہے۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ لکھتے ہیں۔
''اور صوفیہ میں جو شغل پاس انفاس ہے اس سے یکسوئی ہوتی ہے اور خطرات دفن ہو جاتے ہیں...... مقاصد کی طرح ان مقدمات میں سے کسی مقدمہ کو اختیار کرنا ہی لازم واجب نہیں بلکہ جس سے جمعیت ہو، ذکر زبانی یا قلبی یا پاس انفاس وہی کرتا ہے۔ (رسالہ فوائد مہماتِ تصوف: ص 12 تا 14)

''مرشد ہی استعداد مرید کا واقف ہوتا ہے اور اس کے مطابق وموافق وظائفِ ربانی یا قلبی یا پاس انفاس و مراقبات فرماتا ہے۔ (اصلاحِ نفس: ص 16)

''پاس انفاس کے معنی ہیں دل کی نگہداشت کرنا یعنی سانس باہر آئے تو اللہ، اندر جائے تو ہُو نکلے۔ اس کی پوری مداومت کی جائے تو دل پر ذکر جاری ہو جاتا ہے۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ جس کا ذکر جاری ہو جائے اس کو ولی اللہ شمار کرتے ہیں۔ پھر چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، خرید و فروخت، حتیٰ کہ سوتے میں دل ذکر اللہ میں مصروف رہتا ہے۔ (ملفوظات طیبات: ص 78)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ لکھتے ہیں۔
''پاس انفاس بھی مشائخ سلوک کے یہاں اہم اشغال میں ہے جس میں سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، جس کے مختلف طریقے ہیں جو مشائخ سلوک کے یہاں متعارف ہیں، عمل تو اپنے شیخ کی تجویز پر کرنا چاہیے لیکن اتناسب میں مشترک ہے کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر ہوگا۔ مشائخ سلوک کی تعلیمات میں اس پر خاص زور دیا جاتا ہے۔ (شریعت وطریقت کا تلازم: ص 183)

فضائل ذکر فصل سوم حدیث نمبر 17 کے فائدہ میں لکھتے ہیں
''صوفیہ کی اصطلاح میں ایک معمولی چیز پاس انفاس ہے یعنی اس کی مشق کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر کے بغیر نہ اندر جائے نہ باہر آئے، امت محمدیہ کے کروڑوں افراد ایسے ہیں جن کو اس کی مشق حاصل ہے''۔
(فضائل ذکر: ص 101، فضائل اعمال: ص 485)

قارئین کرام! اگر آپ بھی چاہتے ہیں کہ اللہ رب العزت آپ کو بھی ذکر خفی قلبی جیسی نعمتِ عظمیٰ سے نوازیں تو دارالعرفان منارہ واقع چکوال خوشاب روڈ حاضر ہوں، جہاں شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان صاحب مدظلہم و برکاتہم یہ نعمت بانٹ ہی نہیں، لٹا رہے ہیں۔
رابطہ نمبر 0543-562200 ہے۔

ضرورت رشتہ

لڑکا عمر 35 سال، رہائش لاہور، اپنا ذاتی کاروبار کیلئے کنواری / لیٹ میرج / بیوہ کا رشتہ درکار ہے۔ سلسلہ عالیہ کی لڑکی کو ترجیح دی جائے گی۔

مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں۔
0307-4903909

خواتین کا صفحہ

حضرت اُمّ الفضل لبابۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

اُم فاران، راولپنڈی

نام ونسب: نام لبابہؓ بنتِ حارث، کنیت ''اُمّ الفضل'' اور ''کبریٰ'' ان کا لقب تھا۔ والد کا نام حارث بن حزن بن بجیر اور والدہ کا نام ہند یا خولہ بنتِ عوف تھا جو بنو کنانہ یا حمیر سے تھیں۔

حضرت اُمّ الفضل، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ کی زوجہ ہونے کی حیثیت سے حضور ﷺ کی چچی تھیں اور اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن ہونے کی سبب حضور ﷺ کی سالی بھی تھیں۔ آپؓ کی تیسری بہن حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی شادی حضور ﷺ کے حقیقی چچا حضرت حمزہؓ بن عبدلمطلبؓ سے ہوئی اور ایک اخیافی بہن (یعنی دونوں کی ماں ایک تھیں لیکن باپ الگ تھے) حضرت اسما رضی اللہ عنہا بنتِ عمیس، حضرت جعفر طیارؓ کے عقد میں تھیں جو ابوطالب کے بیٹے تھے اور حضور ﷺ کے عم زاد بھائی تھے۔ گویا آپؓ بہت سے رشتوں کے حوالے سے حضور ﷺ کی قرابت دار تھیں۔ لوگ آپؓ کی والدہ ہند بنتِ عوف پہ رشک کرتے تھے کہ سمدھیانے کے لحاظ سے کوئی عورت ان کے ہم پلہ نہ تھی۔ (سیر الصحابیات: تذکارِ صحابیات)

نکاح: آپؓ کا نکاح حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ سے ہوا۔

قبولِ اسلام: خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ان کے بعد دیگر معتبر روایات کی رُو سے اور ابن سعد کے مطابق خواتین میں دوسرے نمبر پہ ایمان لانے کا شرف حضرت اُمّ الفضل کو حاصل ہوا۔ گویا آپؓ سابقون الاوّلون میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔

ہجرت: گو حضرت اُمّ الفضل اپنے ایمان لانے کے حوالے سے قدیم تھیں، لیکن انہوں نے ہجرت اپنے شوہر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد کی۔ یہ ہجرت فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل ہوئی۔

عام حالات: حضرت اُمّ الفضل بہت غیرت مند اور نڈر خاتون تھیں۔ ایک موقع پہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ مشرکین کی طرف سے بدر میں شرکت کرنے گئے اور مسلمانوں کے قیدی بن چکے تھے اور ذلت وہزیمت کے باعث قریش کے گھر گھر میں صفِ ماتم بچھ چکی تھی، آپؓ جرأت اور خاموشی کے ساتھ وقت گزار رہی تھیں۔ انہیں حالات میں ابولہب اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا ان کا غلام ابورافعؓ تیر سازی کر رہا تھا وہیں بیٹھ رہا کہ ابوسفیانؓ بن حارث (جو ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے حضور ﷺ کے عم زاد بھائی اور ابولہب کے بھتیجے تھے) بدر سے لوٹ کر اُسی وقت واپس آئے، ابولہب نے انہیں آواز دی ''بھتیجے ذرا میرے پاس آؤ اور مجھے بتاؤ وہاں کیا گزری؟''

ابوسفیانؓ کہنے لگے ''کہ واللہ! مسلمانوں کے سامنے ہماری بے بسی کا یہ عالم تھا جیسے مردہ غسال کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔ انہوں نے جس کو چاہا تہہ تیغ کیا، جس کو چاہا اسیر بنالیا۔ ایک عجیب نظارہ ہم نے یہ دیکھا کہ ابلق گھوڑوں پہ سوار سفید پوش آدمیوں نے مار مار کر ہمارا بُرا حال کر دیا۔ معلوم نہیں وہ کون تھے؟

ابورافعؓ، حضرت عباسؓ کے غلام فوراً بول اُٹھے ''وہ فرشتے تھے''۔

یہ سُن کر ابولہب بھڑک اُٹھا اور ابورافعؓ کے منہ پہ زور سے طمانچہ رسید کیا۔ ابورافعؓ اُٹھ کر واپس لڑے لیکن کمزور تھے، ابولہب نے انہیں زمین پہ دے مارا اور بے تحاشا پیٹنے لگا۔ حضرت اُمّ الفضلؓ اس منظر کی تاب نہ لاسکیں اور ایک لٹھ اُٹھایا اور ابولہب کے سر پہ دے مارا

اور کڑک کر بولیں "بے حیا اس کا آقا یہاں موجود نہیں ہے اور تو اس کو کمزور سمجھ کر مارتا ہے۔"

ابولہب کے سر سے خون کا فوارا پھوٹ پڑا اور وہ اپنی جان سنبھالتا جلدی وہاں سے چل دیا، اپنی بھاوج سے مقابلہ کی جرأت نہ کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہ: آپؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہ اور محبت حاصل تھی اور آپؓ سے بڑا تعلقِ خاطر تھا۔ اکثر آپؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور اگر دوپہر کا وقت ہوتا تو وہیں آرام فرماتے تھے۔ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اپنی گود میں رکھ کر بالوں کو صاف کرتیں اور کنگھی کرتیں۔

مومنہ: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اُمّ الفضلؓ، سلمیٰؓ، میمونہؓ اور اسماءؓ چاروں مومنہ بہنیں ہیں۔ آپؓ کو علم ہوا تو نہایت مسرور ہوئیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے انہیں مومنات میں شامل فرمایا۔

خواب کی تعبیر: ایک مرتبہ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عضو مبارک ان کے گھر میں ہے، انہوں نے اپنا خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ میری لختِ جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرزند عطا کرے گا اور تم اس کو اپنا دودھ پلاؤ گی، یہی اس خواب کی تعبیر ہے۔"

کچھ عرصہ کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادتِ پاک ہوئی تو اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نے انہیں دودھ پلایا اور ان کی کفیل بن گئیں اس کے باعث تمام خاندانِ نبوت ان کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ ایک روز حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں لیے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے کو ان کی گود سے لے لیا اور پیار کرنے لگے۔ اتنے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں پیشاب کر دیا۔ حضرت اُمّ الفضل سخت پریشان ہوئیں اور بچے کو جھڑک کر کہا "ارے ننھے یہ تو نے کیا کیا"۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی ناگوار گزرا اور فرمایا "اُمّ الفضلؓ تو نے میرے بچے کو یونہی جھڑکا، اس سے مجھے تکلیف ہوئی ہے۔" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور لباس کے پیشاب آلودہ حصے کو دھلوا دیا۔

حج: حجۃ الوداع کے موقع پہ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ عرفہ کے دن بعض لوگوں نے خیال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاید روزہ سے ہیں۔ جب اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کو اس گومگو کا علم ہوا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا پیالہ بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پی لیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے نہیں تھے۔ یوں لوگوں کا شک دور ہو گیا۔ (بخاری: جلد 1 ص 267)

وصال: حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلاف میں وفات پائی، اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی زندہ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

اولاد: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اکثر اولاد اُن سے ہی تھی، ان کے چھ بیٹے فضلؓ، عبداللہؓ، عبیداللہؓ، معبدؓ، قثمؓ اور عبدالرحمٰنؓ تھے اور ایک بیٹی اُمّ حبیبہؓ تھی۔

اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ ان کے سارے بیٹے نہایت قابل تھے، خصوصاً عبداللہؓ اور عبیداللہؓ نے علم و فضل میں کمال حاصل کیا کہ اساطینِ اُمت میں شمار ہوئے۔ اس کے باعث حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کو بہت خوش قسمت تصور کیا جاتا تھا۔ علامہ ابنِ اثیر نے "اسد الغابہ" میں ایک شاعر کے حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہ کی خوشی پہ لکھے گئے اشعار تحریر کیے ہیں۔

ما ولدت نجيبة من فحل	كستة من بطن أمّ الفضل رضی اللہ عنہا
اكرم بها من كهلة و كهل	عم النبى المصطفى ذى الفضل
وخاتم الرسل و خير الرسل

فضل و کمال: حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا سے تیس احادیث مروی ہیں، ان کے راویوں میں ان کے تمام بیٹے، عبداللہ بن حارثؓ، انس بن مالکؓ، عمر کبیر قابوسؓ شامل ہیں۔

اخلاق: متقی اور پرہیزگار تھیں ہر سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھتی تھیں۔ (خلاصۂ تہذیب: ص 495)

بچوں کا صفحہ

قسط نمبر 17

خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ع خان، لاہور

ہجرت کا گیارہواں سال (بقیہ)

مزاج مبارک: آپ ﷺ نرم مزاج تھے، سخت مزاج نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت خواہ تھوڑی بھی ہوتی تب بھی اس کو بڑا سمجھتے اور کسی نعمت کی برائی نہ فرماتے۔ اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہ فرماتے اور نہ انتقام لیتے۔ جب کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہاتھ پلٹ لیتے۔

آپ ﷺ ہنسی کے وقت زیادہ تر تبسم فرماتے تھے۔ تبسم کے وقت جب آپ ﷺ کے دندان مبارک سفید چمکدار ظاہر ہوتے تو ایسا لگتا جیسے بارش کے اولے ہوں۔ جب آپ ﷺ کلام فرماتے تو سامنے کے دانتوں کے درمیان سے ایک نور سا نکلتا معلوم ہوتا تھا۔ جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو آپ ﷺ کی عمر مبارک تریسٹھ (63) سال تھی اور اس وقت آپ ﷺ کے سر مبارک اور ریش مبارک میں بہت کم بال سفید تھے، چند روایات میں بیس (20) سفید بال ملتے ہیں اور چند روایات میں سترہ (17) سفید بال ملتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جو شخص آپ ﷺ کو پہلی مرتبہ دیکھتا تھا مرعوب ہو جاتا تھا اور جو ملتا رہتا تھا وہ آپ ﷺ سے محبت کرتا تھا۔ میں نے آپ ﷺ جیسا (صاحب جمال وصاحب کمال) نہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کو دیکھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو دیکھا۔

آپ ﷺ کی خوشبو مبارک: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے کسی عنبر، کسی مشک اور کسی (خوشبودار) چیز کو رسول اللہ ﷺ کی مہک سے زیادہ خوشبودار نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ کسی سے مصافحہ فرماتے تو سارا دن اس کو مصافحہ کی خوشبو آتی رہتی۔ کبھی کسی بچے کے سر پر ہاتھ مبارک پھیرتے تو خوشبو کی وجہ سے وہ دوسرے بچوں میں پہچانا جاتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی راستے سے گزرتے اور کوئی شخص آپ ﷺ کی تلاش میں جاتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ ﷺ اس راستہ سے تشریف لے گئے ہیں۔

آپ ﷺ کی قوتِ بصر (دیکھنے کی قوت): آپ ﷺ اندھیرے میں اس طرح دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے۔ آپ ﷺ دور سے بھی ایسا ہی (صاف اور واضح) دیکھتے تھے جیسا قریب سے دیکھتے تھے۔ اپنے پیچھے سے بھی ایسا ہی (صاف اور واضح) دیکھتے تھے جس طرح سامنے (صاف اور واضح) دیکھتے تھے۔

آپ ﷺ کھاتے اور سوتے بہت کم تھے، کھاتے ہوئے سہارا لگا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ آپ ﷺ کا سونا داہنی کروٹ پر ہوتا تھا۔

آپ ﷺ کی جود و سخاوت: آپ ﷺ نے فرمایا، مجھ کو اس بات میں خوشی نہیں کہ میرے لیے اُحد پہاڑ سونا بن جائے اور اس میں سے رات کو ایک دینار بھی میرے پاس رہے سوائے اس دینار کے جس کو کسی واجب مطالبہ کے لیے اپنے پاس رکھوں۔ یہ آپ ﷺ کی کمال سخاوت، جود و عطا ہے۔

آپ ﷺ اپنے ذاتی لباس اور گھر میں صرف ضرورت میں اکتفا فرماتے تھے۔ اکثر اوقات آپ ﷺ کمبل، موٹا کھیس اور موٹی چادر پہنتے تھے حالانکہ بعض اوقات اپنے صحابہ کرامؓ کو دیباج کے لباس (جس میں سونے کے تار بُنے ہوتے ہیں) تقسیم فرماتے تھے، اور

جو موجود نہ ہوتے تو اُن کے لیے اٹھا کر رکھتے تھے۔

آپ ﷺ کا اخلاق مبارک: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا خلق (اخلاق) قرآن تھا، اس کی خوشی میں آپ ﷺ خوش ہوتے اور اس کی ناخوشی میں آپ ﷺ ناخوش ہوتے (یعنی قرآن سے جو بات اللہ تعالیٰ کے خوش یا ناخوش ہونے کی معلوم ہوتی آپ ﷺ کی خوشی اور ناخوشی بھی اسی کے مطابق ہوتی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے (آپ ﷺ کی تعریف میں) یہ فرمایا، آپ ﷺ عظیم خلق والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اصل فطرت کی چیزوں میں سے اعلیٰ اخلاق، سنجیدہ طبیعت اور معتدل مزاج عطا فرمایا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا، جب مجھ کو ہوش آیا (یعنی جب میں سمجھ دار ہوا) تو مجھے بتوں اور شعر کہنے سے نفرت تھی اور کبھی کسی جاہلیت کی (غیر مشروع) بات کا مجھے خیال تک نہ آیا۔

آپ ﷺ لوگوں کے تکلیف پہنچانے پر سب سے زیادہ صبر کرنے والے اور سب سے زیادہ برداشت کرنے والے تھے۔ برائی کرنے والوں سے درگزر فرماتے تھے، جو شخص آپ ﷺ سے بدسلوکی کرتا، آپ ﷺ اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک فرماتے تھے۔

آپ ﷺ نے کبھی کسی چیز کے مانگے جانے پر انکار نہیں کیا، روایت حضرت جابرؓ۔ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ خیر کے کام میں خوب بارش برسانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے بڑھ کر نہ کوئی شجاع (بہادر) دیکھا اور نہ کوئی مضبوط دیکھا اور نہ فیاض دیکھا اور نہ (کسی بھی دوسرے اخلاق کے لحاظ سے بھی) پسندیدہ دیکھا۔

آپ ﷺ کو کبھی اپنے اصحاب کرامؓ میں پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ جو بھی آپ ﷺ کے پاس آتا اس کا خیال فرماتے اور اس کی خاطر کرتے۔ کسی شخص کی بات بیچ سے نہ کاٹتے۔ اگر وحی کے نزول یا وعظ و خطبہ کا وقت نہ ہوتا تو آپ ﷺ سب سے زیادہ تبسم فرمانے والے اور خوش مزاج ہوتے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ احسان فرمانے والے، عدل کرنے والے، عفیف، پاکدامن اور سچ بولنے والے تھے۔ بعثت عالی سے پہلے بھی آپ ﷺ کا لقب صادق اور امین تھا، حالانکہ آپ ﷺ قیامت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کے سردار ہوں گے، دُنیا میں بھی آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں بہت بڑی بڑی سلطنتیں اسلام کے زیر نگیں آ چکیں تھیں لیکن آپ ﷺ اگر گھر پر تشریف فرما ہوتے، گھر والوں کی گھر کے کاموں میں مدد فرماتے، دعوت دینے والوں کی دعوت قبول فرماتے، چاہے دعوت دینے والا ایک غلام، باندی یا کوئی غریب ہی کیوں نہ ہوتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی تین دن مسلسل پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھائی، یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ﷺ تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔ آپ ﷺ اس قدر نفل نماز پڑھتے کہ قدم مبارک سوج جاتے، آپ ﷺ کی اس حالت پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہم نے آپ ﷺ پر قرآن مجید اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑ جائیں۔

آپ ﷺ شملہ کبھی دونوں شانوں کے درمیان چھوڑ دیتے اور کبھی بغیر شملہ کے عمامہ باندھتے تھے۔ آپ ﷺ کبھی ٹوپی کو بغیر عمامہ کے بھی پہن لیتے تھے اور کبھی عمامہ بغیر ٹوپی کے پہن لیتے تھے۔

آپ ﷺ بہت صفائی پسند تھے۔ انگلیوں اور جوڑوں کو صاف رکھنا پسند فرماتے۔ خوشبو اور خوشبو کی چیز کو بہت پسند فرماتے، کثرت سے اس کا استعمال فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب فرماتے۔ اگر کسی کام کو کرنے کے دو طریقے ہوتے تو آپ ﷺ

آسان طریقہ اختیار فرماتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں پھونکتے نہ تھے۔ آپ ﷺ سرکہ، زیتون کا تیل، میٹھی چیز، شہد اور کدو کو پسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے مرغ، سرخاب، بکری، اونٹ اور گائے کا گوشت کھایا ہے۔ آپ ﷺ ثرید (شوربے میں توڑی ہوئی روٹی) کو پسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے چھوہارا، چقندر، حیس (کھجور، گھی اور چیز (cheese) کا مکسچر) بھی کھایا ہے۔ آپ کو کھرچن اچھی لگتی تھی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے میں ہے۔ آپ ﷺ ککڑی (تر) کھجور کے ساتھ کھاتے۔ تربوز کے ساتھ بھی کھجور کھاتے۔ آپ ﷺ کھجور کو پانی میں ڈالتے اس سے جو پانی میٹھا ہو جاتا (اس کو نبیذ کہتے ہیں) وہ نوش فرماتے۔

آپ ﷺ کے ملبوسات مبارک: آپ ﷺ کا لباس چادر، لنگی، کرتا اور عمامہ ہوتا تھا۔ سفید کپڑے کو پسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے کتان اور اون کا لباس بھی پہنا مگر زیادہ استعمال سوتی کپڑے کا فرماتے تھے۔ قیمتی کپڑا بھی استعمال فرمایا۔ آپ ﷺ نے قبا بھی پہنی ہے، آپ ﷺ دھاری دار چادر کو پسند فرماتے تھے۔

روئے زمین پر آپ ﷺ سے زیادہ مدبر، ذہین اور اعلیٰ اخلاق کا مالک انسان نہ پہلے کبھی گزرا نہ قیامت تک کوئی آئے گا۔ دُنیا جہان میں جہاں کہیں بھی کوئی خوبی یا اخلاق حسنہ کا کوئی پہلو ہے وہ اپنی بہترین شکل میں آپ ﷺ کی ذاتِ عالی میں موجود تھا۔ آپ ﷺ کی شفقت و رحمت بھی بے مثال تھی۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ اللعالمین کے لقب سے نوازا ہے۔

"اور ہم نے آپ ﷺ کو سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

"تفسیر روح البیان" میں لکھا ہے کہ کائنات میں تقریباً اٹھارہ ہزار عالم ہیں اور آپ ﷺ ان سب کے لیے رحمت ہیں۔

صداقت و امانت آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا خاص وصف ہے۔ اہل مکہ میں آپ ﷺ بعثتِ عالی سے پہلے بھی صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے۔ ہجرت کی رات جب کفار مکہ آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنائے ہوئے تھے، اس وقت بھی آپ ﷺ نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمانے سے قبل ان لوگوں کی امانتیں انہیں واپس کرنے کا انتظام فرماتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلایا کہ اگلے دن لوگوں کی امانتیں واپس کر کے پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائیں۔

آپ ﷺ امیر و غریب میں ہمیشہ عدل کو ملحوظ رکھتے، چاہے فیصلہ کسی عزیز کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، آپ ﷺ کی انصاف پسندی کی وجہ سے کفارِ مکہ بھی اپنے مقدموں کو فیصلے کے لیے آپ ﷺ ہی کے سامنے پیش کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو تمام اہل مدینہ، حتیٰ کہ یہاں کے یہود بھی اپنے جھگڑوں میں آپ ﷺ ہی کو منصف مقرر کرتے اور آپ ﷺ کے عادلانہ فیصلوں کو خوشی خوشی قبول کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جو بات نکلتی وہ بڑی جامع اور فصیح ہوتی۔ آپ ﷺ چونکہ بادشاہوں کے بھی سردار ہیں، اس لیے آپ ﷺ کا کلام بھی تمام لوگوں سے افضل ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَب ترجمہ: میں فصیح ترین عرب ہوں۔

فصاحت میں عربی زبان سے زیادہ فصیح اور کوئی زبان نہیں ہے، سو آپ ﷺ سے زیادہ فصیح انسان نہ پہلے کبھی تھا، نہ ہے اور نہ قیامت تک آئے گا۔

(جاری ہے)

ہمارے ہاں اتنی برداشت نہیں رہی کہ تنقید برداشت کی جائے خواہ جائز تنقید ہی ہو۔ اگر کسی بات کو نہ بھی ماننا ہو تو بھی سننے کی حد تک بھی ہمیں گوارا نہیں رہا۔ یہی روش ہمیں اپنے معاشرے میں ملکی سیاسی اقتصادی اور مختلف موضوعات پر ہونے والے بحث و مباحثہ میں نظر آتی ہے۔ آج کے اگر سیاسی حالات دیکھے جائیں تو چاہے حکومت ہو اپوزیشن ہو یا وہ قوتیں جو اس نظام کی بہتری میں دھرنے جلوس منعقد کر رہے ہیں اُن کی باہم گفت وشنید میں بھی یہی عنصر نظر آتا ہے چونکہ مسائل کا حل صرف اور صرف اعتراضات میں نہیں ہوتا بلکہ جائز اعتراضات تنقید یا رائے پر باہم گفت وشنید اور عمل سے ملتا ہے۔ اسی لیے تو یہ الفاظ سننے کو مل رہے ہیں کہ اس نظام کو تبدیل کریں گے، نظام کی بہتری کے لیے ہمیں ہی موضوع ہیں اور جو قوتیں حکومتوں میں ہیں اسی طرح اُن کا موقف ہمارے سوا اس قوم کا اور کوئی مسیحا ہو نہیں سکتا اس تمام بحث و تمحیص کو دیکھیں ملکی حالات کو دیکھیں اور آج کے انٹرنیشنل scenario میں بغور جائزہ لینے پر یہ احساس شدت پکڑ جاتا ہے کہ ایسا کیا ہے کہ وطن عزیز میں stability قائم نہیں ہونے دی جا رہی۔ پہلے اسلام کے نام پر ایسی دہشت گردی پھیلی کہ نہ کوئی شخصیت محفوظ رہی، نہ کوئی ادارہ محفوظ رہا، نہ کوئی عبادت گاہ محفوظ رہی، نہ کوئی بازار محفوظ رہا ہزاروں لوگ اس کی نظر ہو گئے۔ پھر جب افواجِ پاکستان نے ایسے عوامل کہ جن سے ایسے علاقے جہاں سے ملک میں دہشت گردی پھیل رہی تھی کے لیے ضربِ عضب کے نام سے آپریشن شروع کیا۔ یہ الگ بحث ہے کہ حکومت وقت اس آپریشن کے حق میں تھی یا خلاف، بہر حال تمام حکومتی قوتیں کسی حد تک ایک پیج پر جمع ہو گئیں۔ اور اس آپریشن کے نتیجے میں وطن عزیز کے باسیوں کی زندگی میں پھر روانی نظر آنا شروع ہوئی۔ لوگوں کے ذہنوں سے کچھ خوف دور ہونا شروع ہوا۔

اور پھر ساتھ ہی جمہوریت کی بقا ملک وقوم کی بہتری، نظام کی کمزوریاں، انتخابات کی دھاندلی وغیرہ وغیرہ کے نام پر جلسے جلوس اور دھرنے شروع ہو گئے اور پھر ملک میں انتشار پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اب کوئی کیا سمجھے کہ پہلا انتشار اسلام کے نام پر برپا کیا گیا اور اب تبدیلی کے نام پر دوبارہ ایک انتشار پیدا ہو گیا ہے حالات جیسے بھی ہوں امن کی روش جو بھی ہو وسائل، ذرائع جتنے بھی ہوں تمام امور کی ذمہ دار ہمیشہ حکومت وقت ہوتی ہے۔ اور حکومت وقت کے کیا کہنے کہ جب اپوزیشن میں تھی تو اپوزیشن کا کردار ادا نہیں کیا۔ اور اب جب حکومت میں ہے تو حکومتی کردار ادا نہیں ہو رہا۔ مجھ سے کسی صحافی بھائی نے کچھ عرصہ پہلے ایک سوال کیا کہ آپ حکمرانِ وقت کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟ تو میں نے عرض کیا فقط ایک بات کہوں گا اُن لمحوں کو یاد کریں کہ جب جلا وطنی کے دور میں روضہ اطہر پر کھڑے ہو کر جو وعدے کرتے رہے ہیں اُن وعدوں کی وفا کا وقت ہے۔

بہر حال احتساب صرف اس غریب عوام کے ووٹ میں ہی ہوتا تو ان نا اہلیوں کا مواخذہ ممکن نہیں مگر نماز میں دست بستہ جب ایک مسلمان مالک یوم الدین کہتا ہے تو بندہ مومن کے دل میں روزِ محشر کے حساب کا بھی خیال آتا ہے اب وہ خیال اللہ نہ کرے مشکوک ہے کمزور ہے، یا مضبوط ہے اسکا انحصار ہر بندہ مومن کے ایمان کی پختگی پر ہے۔ حکومتِ وقت نے اس ڈیڑھ سال میں اگر ڈلیور کیا ہوتا عام آدمی کے حقوق و فرائض کا خیال کیا ہوتا، انتظامی امور میں بہتری لائی ہوتی، اچھی

اصلاحات کی ہوتی تو یقیناً احتجاج اور دھرنوں کی گنجائش نہ ہوتی۔

عمران خان صاحب سے کسی کو اتفاق ہو یا نہ ہو مگر جب مسائل کی نشاندہی کر رہے ہوتے ہیں تو ہر پاکستانی کے دل کو وہ بات بھلی لگتی ہے۔ اُن کا اپنا نقطۂ نظر ہے ان مسائل کو حل دھرنوں یا جلسوں کی قوت سے کیا جانا چاہیے مگر میری ایک نقص رائے اگر وہ (کے پی کے) میں اپنی پوری توانائیاں صرف کریں اور تمام صوبوں میں (کے پی کے) کی کارکردگی نمایاں ہو تو یہ جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں کہ status co کی قوتیں شاید یہ الفاظ تاریخ کا حصہ ہو جائیں۔

دوسرا آج کے حالات پر جو میں رائے عرض کر سکتا ہوں اُس کے الفاظ بڑے سادہ اور مختصر ہیں مگر اُس کے حل کے لیے ذاتی مفادات سے بالاتر حکمران ہونا شرط اوّل ہے۔ 1973ء کا قانون من وعن کا نفاذ کیا جائے چونکہ قوانین کا بننا اور اُن کا Implement ہونا یہ دو باتیں ہیں اور 1973ء کے آئین پر نہ کسی سیاسی جماعت کو اعتراض ہے نہ کسی مذہبی تفرقہ بندی کا خطرہ ہے تمام لوگ اُس پر متفق ہیں۔ قانون کا ہونا اور اُس قانون کا نافذ ہونا بالکل ایسا ہی فرق ہے جیسے ہماری پولیس کے بارے میں رشوت اور ناانصافی کی بات زبان زدِ عام ہے۔ اب اسی وطنِ عزیز میں اس پولیس کا ایک حصہ موٹروے پولیس ہے اب آپ موازنہ کریں کہ جب پولیس کی چوکی دیکھی جاتی ہے یا خدانخواستہ تھانے جانا پڑے تو انسان کو کیسا دھڑکا لگتا ہے اور اگر خدانخواستہ موٹروے پر گاڑی خراب ہو جائے یا کوئی ضرورت پیش آ جائے تو موٹروے کی پولیس کو دیکھ کر انسان کیا سکھ پاتا ہے۔ چونکہ آپ موٹروے کے قانون کی پابندی کریں گے تو موٹروے پولیس آپ کو تنگ نہیں کرے گی بلکہ آپ کی ہر مشکل میں مدد کرے گی۔ خوش اخلاق اور باوقار انداز سے پیش آتی یہ موٹروے کی پولیس بھی اس وطنِ عزیز کے قانون کے ماتحت ہے اور باقی پاکستان کی پولیس کا تمام محکمہ بھی وطنِ عزیز کے اس قانون کے ماتحت ہے۔ اب جہاں قانون کا نفاذ ہے اور جہاں قانون کا نفاذ نہیں ہے واضح فرق ہے۔

اور تیسری ناقص رائے کہ ہمارے تمام سیاسی قائدین اور مذہبی رہنماؤں کو چاہیے کہ ملکی حالات کی بہتری کے لیے اپنی ذات سے بالا تر ہو کر تمام مسائل کے حل پر مل بیٹھیں اور حکومتِ وقت بھی اپنے فرائض کا خیال کرے اور اپوزیشن بھی اپنے حدود میں اپنے موقف پر گرفت مضبوط کرے۔ وگرنہ شب و روز جلسے جلوسوں کی تقاریر پرنٹ میڈیا، الیکٹرونک میڈیا جب عوام کو حالات کی خرابی بے انصافیوں اور لاقانونیت کے موضوع پر مخاطب کر رہے ہیں اُس وقت سے ڈرنا چاہیے کہ جب مظلوم انصاف کرتا ہے تو اُس کا انصاف ظلم کی حدوں کو عبور کر جاتا ہے۔ حالات پر کتنی بحث و تمحیص ملتی ہے تمام پارٹیوں کے منشور کو دیکھیں تو کتنے ہی اچھے نکات ملتے ہیں کاش یہاں کوئی اسلام کے نظام کی بات کرے اور اگر حقیقی جمہوریت بھی تلاش کرنی ہو تو اسلام سے باہر نہیں۔ وگرنہ اپنے ہاں جمہوریت کو دیکھیں تو حیرانگی ہوتی ہے کہ پولنگ بڑھا کر بھی اگر بیان کیے جائیں تو 50 فیصد تک اعلانات ملتے ہیں اب 50 فیصد پولنگ میں وہ جماعت بھی ہے جسکی حکومت بنتی ہے وہ جماعت جو اپوزیشن میں آتی ہے اور باقی چھوٹی جماعتیں اور آزاد گروپ بھی شامل ہوتے ہیں۔ یعنی حکومتِ وقت کے پاس 20 فیصد کے قریب مینڈیٹ ہوتا ہے اب بتائیں کہ جمہور 20 فیصد میں ہے یا باقی ماندہ 80 فیصد میں ہے۔ اسی مروجہ جمہوریت میں بہتر انداز دیکھنا ہو تو امریکہ کا نظام جمہوریت دیکھیں اور عجیب بات ہے کہ وہ ملک کہ جس پر اعتراض ہماری سیاست کا حصہ ہے اُس نے وہ جمہوری انداز جو کہ اسلامی نظام کے قریب ترین ہے اختیار کیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ پاک ہمارے حال پر رحم فرمائے وطنِ عزیز کو قائم دائم رکھے اور اسکے باسیوں کو قوتِ ایمانی عطا فرمائے اور ہمارے حکمران طبقہ کو ہوش عطا فرمائے

چونکہ اسلام دشمن قوتیں اس وطنِ عزیز کے انتشار کے پیچھے محرکات میں ہیں اور ہمارے ذمہ داران خوابِ غفلت میں۔

بشکریہ "ندائے ملت" لاہور

مسائی جمیلہ

”الاخوات“ لاہور کا پروگرام اور ناظم اعلیٰ بھائی عبدالقدیر اعوان صاحب کا خطاب

ڈاکٹر آصفہ اکرم

شیخ المکرم حضرت جی مدظلہ العالی ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ اللہ سیکھنے کا مقصد گوشہ نشینی نہیں بلکہ وہ قوت اور جذبہ حاصل کرنا مقصود ہے جو مردہ دلوں میں حیات نو پیدا کردے، جو بے عمل کو باعمل بنادے اور جو نااہل کو اہلیت عطا کردے۔ یہ سب کچھ کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں بلکہ احقاق حق کے لئے، باطل اور ظلم کو مٹانے اور کفر و شرک کے سامنے بند باندھنے کے لئے ہے۔

امت مسلمہ میں اس سے قبل جب بھی مشکل دور آئے تو خوش نصیب لوگ کفر و شرک اور ظلم و جبر کے سامنے بند باندھنے کی کوششوں میں مصروف ہوگئے۔ آج کے اس دور میں حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان صاحب مدظلہ العالی اپنی اسی ذمہ داری کو بخوبی نبھاتے ہوئے ظلم اور باطل کی سیاہ رات کو نور حق سے بدلنے میں کوشاں ہیں۔ اللہ کریم ان کی پرخلوص کوششوں اور انتھک محنتوں کو شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین

گزشتہ دنوں نومنتخب صدر الاخوات لاہور نے جنرل باڈی میٹنگ کے نام سے ایک پروگرام کا انعقاد کیا۔ جس میں انہوں نے محترم بھائی عبدالقدیر اعوان صاحب کو شرکاء محفل سے خطاب کرنے کے لئے مدعو کیا، نیز ان ساتھی بہنوں کے مراقبات کروانا بھی اس میٹنگ کے ایجنڈے میں شامل تھا جو اپنی بعض مجبوریوں کی بنا پر دارالعرفان جانے سے معذور ہیں۔

پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ بعد ازاں حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ نے سامعین کے قلوب میں سوز و گداز پیدا کردیا۔ پروگرام کے آغاز میں صدر الاخوات لاہور نے جنرل باڈی میٹنگ کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے سابقہ صدور کی کارکردگی کو خراج تحسین پیش کیا اور فرمایا کہ مجھے 19 اگست 2014 کو الاخوات لاہور کی صدر نامزد کیا گیا، اور آج بحیثیت صدر الاخوات آپ سے مخاطب ہونا میرے لئے باعث سعادت ہے۔

الاخوات لاہور کی کارکردگی کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ اس وقت لاہور میں اکتالیس (41) حلقہ ہائے ذکر قائم ہیں اور عنقریب واہگہ باڈر کو بھی ایک نئے سیکٹر کے طور پر متعارف کروایا جارہا ہے۔ اس سیکٹر کے تحت چار گاؤں میں ذکر الٰہی کی دعوت پہنچائی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔ ان کی بیان کردہ رپورٹ کے مطابق لاہور کے مختلف ہسپتالوں مثلاً گنگارام، جنرل ہسپتال، چلڈرن ہسپتال اور نرسنگ سکولوں میں الاخوات کی سپیکر خواتین اپنے فرائض کی انجام دہی میں تندہی سے مصروف ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر ہسپتالوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش بھی کی جارہی ہے۔ نیز مختلف تنظیموں مثلاً Kakezai Association, International Womens Club وغیرہ سے روابط قائم کرکے ذکر الٰہی کا پیغام حیات آفریں عام کرنے کی منصوبہ بندی بھی کی جارہی ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ مرکز کی اجازت سے نوجوان بچیوں کی تربیت کے لئے Glowing Hearts کے نام سے ہر مہینے ایک پروگرام کا

انعقاد کیا جاتا ہے۔اس سلسلے کے اب تک تین پروگرام منعقد ہو چکے ہیں۔الحمدللہ ان پروگراموں کا Feed Back بہت اچھا موصول ہو رہا ہے۔

House of Psychologist کے نام سے الاخوات کی ایک Sub Committee بنائی گئی ہے۔جو کہ جماعت کی Clinical Psychologists کے زیر سایہ کام کرے گی۔اس کمیٹی کا پہلا پروگرام Glowing Hearts کے لئے منعقد ہوا۔جس کا عنوان How to Fight Negativity in Life تھا۔ماہرین نے نہایت عمدہ انداز میں منفی خیالات کی وجوہات، اثرات اور ان سے چھٹکارا پانے کے طریقوں اور علاج پر روشنی ڈالی۔

ذکرالٰہی کی دعوت کو مزید موثر بنانے کے لئے یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ تمام سیکٹر ہر مہینے میں ایک دفعہ اجتماعی ذکر کا اہتمام کریں، جس میں اس سیکٹر کے تمام حلقوں سے ساتھی بہنیں شامل ہوں۔الحمدللہ اجتماعی ذکر کے یہ پروگرام مثبت تبدیلی پیدا کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔

مالی وسائل میں اضافہ کے لئے یہ طے کیا گیا ہے کہ گیراج سیل ہر مہینے میں مقامات کی تبدیلی کے ساتھ ایک دفعہ ضرور رکھی جائے۔الحمدللہ یہ تجربہ بہت کامیاب رہا ہے۔

الاخوات لاہور کے زیر اہتمام La Cuisine کے نام سے Food Stalls لگانے کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔جس کا مقصد الاخوات کو مالی امور میں مدد فراہم کرنا۔اسی کا ایک شعبہ La Cuisine Home Catering بھی ہے۔جس کے تحت Home Delivery کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے۔عنقریب La Cuisine Cooking Classes کا آغاز بھی کیا جائے گا۔ان شاءاللہ

الاخوات لاہور کا شعبہ نشرواشاعت بھی اپنی ذمہ داریوں کو نہایت جانفشانی سے نبھانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔یہ شعبہ باقاعدگی کے ساتھ Facebook پر حضرت جی مدظلہ العالی کے اقوال انگریزی ترجمے کے ساتھ upload کرتا رہتا ہے۔علاوہ ازیں یہ الاخوات کے جملہ پروگراموں کی تشہیر کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔اسی شعبے کے تحت مختلف ہسپتالوں اور نرسنگ سکولوں کی لائبریریوں میں سلسلہ عالیہ کی کتب رکھوانے کا سلسلہ جاری وساری ہے، نیز یہ شعبہ الاخوات کے پروگراموں میں بک سٹال لگانے کے ساتھ ساتھ الاخوات کے تمام حلقوں میں فراہمی کتب کا خوشگوار فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے۔الاخوات کے اہم پروگراموں کی T.V اور اخبارات میں Coverage بھی اس شعبہ کے فرائض میں شامل ہے۔

الاخوات کا شعبہ ٹرانسپورٹ بھی اپنی کارکردگی کو موثر انداز میں انجام دینے کی کوششوں میں مصروف ہے۔اس شعبے کے تحت مہینے میں دو دفعہ ساتھیوں کو مرکز لے جانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔دوران سفر انہیں دارالعرفان حاضری کے آداب بتائے جاتے ہیں اور ذکرالٰہی کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔

بیان کے آخر میں محترمہ صدر صاحبہ نے ورکنگ کمیٹی اور ادبی کمیٹی کے ممبران کا بطور خاص شکریہ ادا کیا کہ جن کی بھرپور کوششوں اور معاونت کے باعث الاخوات کے مذکورہ بالا پروگراموں کا انعقاد ممکن ہو رہا ہے۔اللہ تعالیٰ سب کی محنتوں کو قبول فرمائیں۔آمین

صدر صاحبہ کے بیان کے بعد ناظم اعلیٰ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ/الاخوان محترم بھائی عبدالقدیر اعوان صاحب نے سلسلہ عالیہ سے منسلک بہنوں سے نہایت پراثر خطاب فرمایا۔الاخوات لاہور کی سابقہ صدر نے محترم بھائی عبدالقدیر اعوان صاحب کی خدمات جلیلہ کو سراہتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش کیا اور فرمایا کہ شیخ المکرم مدظلہ العالی کے فرزند ارجمند محترم بھائی عبدالقدیر اعوان

صاحب اپنے والد محترم اور شیخ المکرم کی صحبت عالی کے طفیل علم لدنی کے خزانے سے معمور ہیں اور برکات نبوی ﷺ کی ترسیل کا عظیم کام ان کی ذات سے جاری وساری ہے۔آپ نے نہایت قلیل عرصہ میں الاخوان کے ناظم اعلیٰ کے فرائض سنبھال کر اس میں ایک نئی روح پھونک دی، نہ صرف ملکی سطح پر جماعت کے کام کو آگے بڑھایا، پھیلایا اور اس کو منظم کیا بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی شیخ المکرم مدظلہ العالی کے مشن کو وسعت دیتے ہوئے اس ذمہ داری کو بہت خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔انہوں نے خوبصورت اشعار آپ کی نذر کرتے ہوئے آپ کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی۔

محترم بھائی عبد القدیر صاحب نے ساتھی بہنوں سے خطاب فرماتے ہوئے ذکر الٰہی کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کیا اور اس ضمن میں دین کے اہم ترین شعبہ تصوف کی حقیقت پر روشنی ڈالی۔انہوں نے فرمایا کہ جولوگ اس شعبہ دین سے وابستہ نہ ہوں وہ محض الفاظ سے تصوف وسلوک کی اصل حقیقت تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔تصوف کا مطلب سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ ''کل مجموعہ احکام ظاہری وباطنی، یہی شریعت ہے یہی تصوف ہے اور یہی طریقت ہے۔'' انہوں نے فرمایا کہ یہی وہ شعبہ دین ہے جو کیفیات یقین وایمان میں پختگی پیدا کرتا ہے اور بندے کو حضورِ حق کا احساس نصیب ہوجاتا ہے۔لہٰذا دین اسلام کے دو پہلو ہیں ایک پہلو تعلیمات محمد رسول اللہ ﷺ سے متعلق ہے جبکہ دوسرے پہلو کا تعلق برکات نبوی علیہ السلام سے ہے۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کلمہ طیبہ کا صرف زبانی اقرار کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ تصدیق قلبی بھی ضروری ہے۔انہوں نے فرمایا کہ برکات وکیفیات کا یہ نظام افراد کا محتاج نہیں بلکہ یہ افراد کی ضرورت ہے کہ وہ اس نظام سے خود کو منسلک کریں۔انہوں نے شعبہ تصوف وسلوک میں صحبت شیخ کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس شعبہ میں سب سے اہم فرد شیخ کی ذات ہوتی ہے، وہی ایک قلب ایسا ہوتا ہے کہ جہاں سے برکات وکیفیات کی تقسیم کا یہ عظیم کام بتوفیق الٰہی سرانجام پاتا ہے۔یہ باتیں میں اپنے شیخ مدظلہ العالی کی محبت میں نہیں کہہ رہا بلکہ کیفیات محمد رسول اللہ ﷺ حاصل کرنے کے لیے ان کیفیات کے حامل صاحب قلب کا ہونا اور ان سے منسلک ہونا ضروری ہے۔حضرت اویس قرنی ؒ کی مثال اس موضوع پر صادق آتی ہے کہ درجہ صحابیت کے لیے نبی کریم ﷺ کی معیت ضروری تھی۔انہوں نے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کی اصل عظمت یہ ہے کہ انہیں نبی کریم ﷺ کی براہ راست معیت حاصل تھی۔لہٰذا جس درجہ کا ایمان، یقین اور اخلاص انہیں عطا ہوا وہ بعد والوں کے نصیب میں نہیں ہوسکتا۔چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی ایسے فرد سے منسلک ہوا جائے جس کا سینہ برکات نبوی ﷺ سے روشن ہو اور وہ ہستی کیفیات محمد رسول اللہ ﷺ کی امین ہو، کیونکہ کیفیات کو ضبط تحریر میں لانا ممکن نہیں۔انہوں نے کیفیات قلبی کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ یہ کیفیات قلبی ہی ہیں جو انسان کو اس بات پر مجبور کردیتی ہیں کہ وہ اتباع نبوی ﷺ کو اپنی زندگی کے تمام معاملات میں خلوص قلب سے اختیار کرے۔انہی کیفیات قلبی کا نتیجہ ہے کہ بندہ مومن کی ترجیح دنیا کے عارضی اور وقتی فوائد کے حصول کی بجائے آخرت کی تعمیر وترقی قرار پاتی ہے۔یہی قلبی کیفیات انسان کے اندر حضورِ حق کا یقین پیدا کردیتی ہیں اور یہ کیفیات وبرکات کا ہی وہ شعبہ ہے کہ جسے کامل یکسوئی کے ساتھ اختیار کرنے سے اس مشت غبار کا قلبی تعلق قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ سے استوار ہوجاتا ہے۔اللہ کریم کا یہ عظیم احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس شعبے سے منسلک فرمایا ہے کہ ہم اپنی تمام تر کم مائیگی کے باوجود اپنے قلوب کو قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ سے استوار کرنے کی سعادت حاصل کر

سکتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے قلب میں قرب الٰہی کے حصول کی سچی طلب پیدا کی جائے، ذکر الٰہی کو باقاعدگی کے ساتھ اختیار کیا جائے اور غفلت سے بچنے کی بھرپور کوشش کی جائے، تو یہ وہ نعمت عظمیٰ ہے کہ جس کی بدولت انسانی زندگی کا سفر برائی سے نیکی کی طرف شروع ہو جاتا ہے، حضورِ حق کا احساس نصیب ہوتا ہے اور بندہ مومن دربارِ رسالت پناہی ﷺ سے منسلک ہونے کی سعادت سے سرفراز ہو جاتا ہے۔لہٰذا اس شعبہ کیفیات سے شعوری طور پر وابستگی ضروری ہے، اس طریقے کو اختیار کرنا اور اس پر محنت کرنا ضروری ہے جو مشائخ نے تعلیم فرمایا ہے محض اچھی اور خوبصورت باتوں سے بات نہیں بنتی۔انہوں نے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے ایمان کی مضبوطی کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ذات غفور رحیم ہے اور عطا فرمانے والی ہے۔

اپنے بیان کے آخر میں انہوں نے نہایت آسان فہم انداز میں سلسلہ عالیہ میں شمولیت اختیار کرنے والی نئی بہنوں کو لطائف اور مراقبات کے بارے میں سمجھایا، ذکر الٰہی بھی کروایا اور ان بہنوں کو مراقبات بھی کروائے جو اپنی بعض مجبوریوں کی بنا پر دارالعرفان حاضر ہونے کی سکت نہیں رکھتیں۔

اللہ کریم ان کی اس سعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائیں اور انہیں صحت کاملہ کے ساتھ عمر طویل عطا فرمائیں۔آمین

پروگرام کے اختتام پر فوڈ سٹال کا اہتمام بھی کیا گیا نیز بک سٹال بھی شرکاءِ محفل کی خصوصی توجہ کا مرکز بنا رہا۔

''اللہ کے ذکر کی محافل میں لوگوں کے قلوب منور اور ایمان طاقتور ہوتے ہیں''

احتجاج کا مقصد تخریبی نہیں تخلیقی ہونا چاہیے: عبدالقدیر اعوان

حکمران اگر کارکردگی اچھی کرلیں تو دھرنوں کی ضرورت ہی پیش نہ آئے، ایکسپریس کو انٹرویو

لاہور (جنرل نیوز رپوٹر) سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے ناظم اعلیٰ صاحبزادہ عبدالقدیر خان نے کہا ہے کہ حکومت اور دھرنے والوں میں جھگڑا اگر ملکی انتظامات سنبھالنے اور الیکٹورل سسٹم ٹھیک کرنے کا ہو رہا ہے تو مذاکرات عوام کے سامنے بیٹھ کر کیوں نہیں کیے جاتے۔عوام کی فلاح و بہبود کی بات کو عوام کے بالکل سامنے ہونا چاہیے۔انہوں نے کہا کہ ظاہر و باطن احکام شرعی ہی شریعت ہے اور یہ تصوف، شریعت اور طریقت کو الگ سمجھا جاتا ہے حالانکہ حقیقت، معرفت، شریعت و طریقت کا جاننا اور سمجھنا نہ پانا الگ بات ہے۔طریقت کا مطلب ہی دین تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ان خیالات کا اظہار انہوں نے روزنامہ ایکسپریس کو دیئے گئے خصوصی انٹرویو میں کہا۔انہوں نے کہا کہ دینِ اسلام کے دو پہلو تعلیمات محمد ﷺ اور برکات محمد ﷺ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکمران اگر کارکردگی اچھی کرلیں تو دھرنوں کی ضرورت ہی پیش نہ آئے اور دھرنے والے بھی اگر احساس کریں کہ ان سے ملک کو کتنا نقصان ہوتا ہے تو بھی گفت و شنید کو زیادہ اہمیت دیں۔احتجاج کا مقصد تخلیقی ہونا چاہیے نہ کہ تخریبی۔عبدالقدیر اعوان نے کہا کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا سیٹ اپ دینی ہے جبکہ اسی کا پلیٹ فارم تنظیم الاخوان ہے جو سیاسی ہے۔ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے جہاں ہمیں دین سکھایا وہیں خلافت اسلامیہ کی بھی بنیاد رکھی اس لیے تعلیمات محمد ﷺ سیاست سے الگ نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں لوگوں کے قلوب کو منور اور ایمان کو طاقتور کرنے کے لیے اللہ کے ذکر کی محافل ہوتی ہیں۔یہ بات قرآن و حدیث اور معمولات زندگی سے ثابت ہوئی ہے کہ انسانی وجود ہی عمل کرتا ہے جو دل میں فیصلہ کرتا ہے۔

طب

سیب (Apple)

حکیم عبدالماجد اعوان سرگودھا

سیب ایک مشہور پھل ہے اس کو سب پھلوں میں ایک امتیازی اہمیت حاصل ہے اس کا ذائقہ انتہائی لذیذ لیکن معمولی سا ترش ہوتا ہے سیب اپنی غذائی اہمیت کے علاوہ ہمارے جسم میں پائے جانے والے تعاملات کو باقاعدہ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے طبعی ماہرین سیب کو حفاظتی اور مکمل غذا تصور کرتے ہیں جو لوگ باقاعدہ بلا ناغہ سیب کھاتے ہیں ان کے چہرے سرخ وسفید، رنگت انتہائی نکھری ہوئی اور انتہائی شاداب ہوتے ہیں سیب کے متعلق ایک انگریزی مقولہ ہے An apple a day keeps the doctor away یعنی اگر آپ ہر روز ایک سیب کھائیں تو آپ تندرست رہیں گے اور آپ کو معالج کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

مزاج:۔ شیریں سیب گرم تر مزاج رکھتا ہے کھٹا میٹھا سیب ذائقے کے لحاظ سے معتدل سمجھا جاتا ہے اور پھیکا سیب سرد تر مزاج رکھتا ہے سیب کی یہ قسم انتہائی کم فائدہ مند ہے۔

غذائی اہمیت:۔ سیب بہت زیادہ غذائی اہمیت کا حامل ہے اس میں معدنیات ونمکیات وحیاتین بہت بڑی مقدار میں پائے جاتے ہیں اس کی زیادہ غذائی اہمیت شوگرز کی موجودگی سے ہے ان شوگرز میں گلوکوز کو دو فرکٹوز 6 اور سوکروز 4 بحساب (100 گرام) ہے۔ کچے سیب میں بہت تھوڑی مقدار میں نشاستہ ہوتا ہے جو کہ پکنے کے دوران شوگرز میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ تیزابیت بھی بڑھاتے ہیں یہ ایسڈ عموماً میلک ایسڈ (Malic Acid) پر مشتمل ہوتا ہے جو کہ ہمارے جسم میں استعمال ہو جاتا ہے۔ سیب کو چھیل کر نہیں کھانا چاہیے بلکہ اسے چھلکے سمیت استعمال کرنا چاہیے کیوں کہ گودے کے مقابلے میں حیات الف اور ج بہت زیادہ ہوتے ہیں لیکن پھل کے اندرونی حصہ میں اس کی مقدار کم ہوتی ہے۔

قدرتی فوائد اور معالجاتی خاصیتیں:۔ سیب میں سب سے اہم جذو پیکٹین (Pectin) ہے جو چھلکے کے اندرونی تہہ اور گودے میں پایا جاتا ہے۔ Pectin گلیکٹو رونک ایسڈ مہیا کر کے جسم سے زہریلے مادوں کے اثرات کو زائل کرنے اور انتڑیوں میں لحمیات کی توڑ پھوڑ کے عمل کو روکنے میں بھی معاون ہے سیب میں پایا جانے والی میلک ایسڈ (Malic Acid) آنتوں، جگر اور دماغ کے لیے فائدہ مند ہے اس کے علاوہ دیگر بہت امراض میں کارآمد ہے۔

سیب کے طبعی فوائد:۔ کھٹا سیب گرم مزاج افراد رکھنے والے افراد کے فم معدہ کو تقویت بخشتا ہے قے روکتا ہے اور سفرا کی زیادتی کی وجہ سے آنے والے دستوں کو بھی فائدہ دیتا ہے۔

خون میں کمی:۔ سیب میں چونکہ فولاد، سنکھیا اور فاسفورس بہت زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے اس لیے خون کی کمی کو پورا کرنے کے لیے اس کا استعمال بہت مفید ہے خاص طور پر سیب کا تازہ جوس اس مقصد کے لیے نہایت کارآمد ہے۔ بہتر نتائج کے لیے ایک کلو سیب روزانہ کھایا جا سکتا ہے جوس پینے کا بہترین وقت کھانے سے آدھا گھنٹہ پہلے یا سوتے وقت ہے جوس منتخب شدہ سیبوں کو اچھی طرح دھو کر نکالنا چاہیے۔

قبض اور اسہال:۔ قبض اور اسہال کے امراض میں سیب کا استعمال مفید ہے۔ سیب قبض کو دور کرتا ہے، کم از کم دو سیب روزانہ کھانے سے اجابت میں باقاعدگی آجاتی ہے جب کہ پکائے ہوئے یا Baked سیب اسہال کو روکنے میں معاون ہوتے ہیں پکائے ہوئے سیب میں موجودہ سیلولوز نرم پڑ جاتا ہے جو کہ پاخانہ کو سخت (Bulky) کر دیتا ہے۔

Ru'ayat -e- Baari Ta'ala (رویتِ باری تعالیٰ) and Mohabbat(محبت). I don't know who told you these names, anyway, these are Kaifyat (کیفیات) of which some are correct and some invalid.

Q. In attaining these branches of Wilayat (ولایت) what is the role of our desire or intention and our hard work (مجاہدہ) in its pursuit? Also what is the role of destiny, as well as, the role of an accomplished Sheikh in it?

Ans. It must be understood that Allah(swt) is the Owner of every blessing! He(swt) is the Owner of the entire Universe and Creation.

Take an example that a person builds a house, and makes a nice living room and decorates it. He also builds a nice, big bathroom and makes it beautiful too. Now can anyone object to the bathroom that why he made such a big room into a bathroom? He would say it was his house and he would decide what to do with it. So if a man takes so much pride in his ownership, the Owner of the Universe too has a complete control over His Creation and no one can raise any objection on how He(swt) runs His(swt) Universe. It is a matter of His(swt) Graciousness and Mercy that He(swt) blesses with His(swt) friendship (ولایت). This is a world of Causes and Effects (عالَمِ اسباب). If you wish to take electricity from the Power House, you will have to adopt some means to bring electricity to your house; you will have to run an electricity cable from your house to the transformer etc. This will be a cuase (سبب) that will provide light to your house.

The knowledge of Islam, the teachings (ظاہری علم) of the Prophet (SAWS) that reach us today are also conveyed to us by some teacher, acting as the cause. He learnt from some scholar, that scholar in turn, learnt from another scholar and the chain goes back to the teacher of mankind, Prophet's (S A W S) Court. Similarly the Barkaat (برکاتِ نبوت) of the Prophet (SAWS), are also transmitted through accomplished people called Sheikh (شیخ کامل). Just as a scholar of Prophet's teachings (تعلیماتِ نبوت) is bound to learn the truth and convey the truth, so is a sheikh Kamil (شیخ کامل). An accomplished Sufi master is bound to first acquire the Barkaat (برکات), and then transmit to the seekers. Every scholar (عالم) is not a Sufi (صوفی) but every Sufi (صوفی) is a scholar(عالم). The accomplished Sufi masters (مشائخ عظام) are also amongst scholars, and their role is to transmit Barkaat (برکات), they receive from the Prophet's (SAWS) Court, to the seekers. Now every seeker has his own capacity and desire, as to how much zealous he is to attain the Barkaat, and how strong is his resolution to attain Allah's(swt) pleasure. Every seeker's resolution is in accordance with his capacity (استعداد) and caliber, and is treated accordingly by Allah(swt).

Q. It is said that the name of the dog who accompanied the Ashaab-e-Kahf, was Qitmeer. Can Muslims give this name to their children?

Ans. Why should one name a child after a dog? What is the need for doing so? If one wants, he may find the names of the Ashaab-e-Kahf and name a child after any of them, but again there is no need to even do that. Muslims should name their children with the names of Prophet (SAWS), the noble Companions (RAU) or the Accomplished noble people (اہل اللہ) or Scholars of Islam (علماءِ حق). What is the point in naming a child after a dog! I haven't read this name anywhere and it is not in my knowledge that this dog will be converted into a human and admitted in Jannah. I have not read this in any authentic book, maybe, it is written in some books of tales.

think about you, as everyone will be held liable for the deeds done. Hence contentment (استغنا) means that one should rise above public opinion and make his dealings pure with Allah(swt), and His Prophet (SAWS). He should focus on the fact that what would be the worth of his deed in the Court of Allah(swt) and the Court of Prophet (SAWS); whether it is acceptable there or not. Rest, anybody else can think what they please. Thus the matters are resolved. When a person lacks contentment (استغنا), it denotes a weakness of his heart (قلب) or an ailment. When the heart is not strong enough, such ailments develop, while it becomes strong with Zikr Allah. The remedy to it's ailments is Zikr Allah; so strengthen and fortify your hearts with Zikr Allah, to such an extent that it goes beyond such ailments.

Q. a) What is (a) Qalandari (قلندری) (b) Musakhrat, (c) Mustajab-ul-Dawat in Tasawaf?

Ans. (a) Qalandri is neither a station, in Tasawuf, nor a meditation (مراقبہ) or an office in Tasawaf. In our part of the country, people performing roadside shows, with bears and monkeys, are called Qalanders.

Ans. (b) Musakharat (مسخرات) are found with Aamileen (عاملین) and not with the Accomplished (کاملین). Musakharat are the powers that have been granted because of some incantation (عملیات). It is not done by the Accomplished Sufi masters (کاملین).

Ans. (c) Mustajab ul Dawat (مستجاب الدعوۃ) means a person whose prayers are answered. It is not an office. It is purely Allah's(swt) decision as to when He(swt) chooses to listen to someone and grant his supplication. Allah(swt) even granted acceptance to the wish of Satan (شیطان), so that does not make Satan Mustajab-ul-Dawat? When Satan had asked Allah(swt) to grant him respite, till the Day of Resurrection, the Day when people will be raised again, he was actually wishing to escape death. So Allah(swt) made slight amendment in his wish and granted it, saying that you are granted respite (الی یوم الوقت المعلوم) till the Day of Judgment (قیامت), upon which He (شیطان) too will have to die. Now even Satan's wish has been granted but it does hot make him a chosen one, or a desirable character in Allah's(swt) Court. So this is not a criteria that a person whose prayers are answered is also Allah's(swt) loved one. Some matters have been predestined by Allah, and at times, a wrong doer prays for something which has already been destined and it happens. He starts to assume wrongly that it happened because of his prayer. The same is the case here with Satan, it did not happen because of his prayer, it was already predestined that this would happen.

Q. Is it true that Wilayat (ولایت) has eleven branches like Khindmat - Khalq, Shafqat upon mankind etc?

Ans. You can even make one hundred and eleven branches; this is not a certified claim, rather a notion concocted by people.

There are no such branches of Wilayat (ولایت) as you have mentioned namely Khidmat-e-Khalq (خدمتِ خلق) serving mankind, Shafqat upon Mankind (شفقت بر مخلوق) (affection upon mankind), Maghfirat (مغفرت), Shahadat (شہادت), Tehdees-e-Baari Ta'ala (تحدیث باری تعالیٰ) or

Question / Answers

Translated speech of his eminence Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

8th June 2013

Q. (This question has three questions which are essentially the same). What is the status of forsaking worship on the basis of the fear of pretence, in view of Sunnah? The second part is what should a worshipper do if he feels the whispers of pretence, while he is worshipping? The third part is, what is contentment (استغنا)?

Ans. Pretence and worship are two different entities. Pretence can even be observed by forsaking worship. It is a feeling, a state, that a person begins to fancy himself as a pious person. Thus to forsake worship, in order to prevent pretence, is indeed itself a pretence. Worship is the cure for pretence while pretence is a state of the subtle heart (قلب), whereby he feels proud of his piety. The output of worship is the cognition of Allah's(swt) Greatness and one's humility.

So it is not advisable that you forsake the medicine in illness and think this would be the cure. Rather you need to increase the dosage of the medicine. If you are having these doubts of pretence, then do more of worshipping but you don't have to do it in public. It can be done in privacy too. This is why the accomplished saints (صوفیا) do not allow the seeker to acquire a certain turnout, or wear a certain dress to display piety. A seeker (صوفی) should maintain his normal, life, as was before, there is absolutely no need to acquire a different style.

The second part of the question is that if a person feels the whisper (وسوسہ) of pretence during his worship what should be done? Well it must be understood that this whisper (وسوسہ) is something which can happen to any human being, anytime, except for the Prophet's (AS) of Allah. This whisper is injected by Satan, Now, there is a difference between having this whisper (وسوسہ آنا) and bringing this whisper (وسوسہ لانا). The whisper which comes from Satan is automatic and it should be expelled. If you start paying attention to satanic whispers then they will grow stronger and increase in number, as well. If you act upon one whisper, then ten more will prop up, so the treatment for whispers is to ignore them. Remember this is a test that will continue till the last breath, and these Satanic whispers will not stop. The other situation is when we bring whispers (وسوسہ لانا), that is we start to think about something; this is forbidden. The third part of the question is about Contentment (استغنا). Well, contentment is that a person becomes totally dependant on Allah(swt) and does not seek anyone else, except Allah. He becomes oblivious towards what others say about him. As everyone has to account for his own deeds so one must not be bothered about what people say. Let people think what they want to

invariably develop in the home. When she was told that Qadiyani belief was Kufr, she would reply that she did not consider it Kufr, as their Kalimah was the same, so was the Salah and the Qiblah, so where was the Kufr in it. This daily argument caused discord in their married life and the matter reached Hazrat Ji rua. He rua summoned both the husband and the wife, and questioned the wife about her belief. She replied that she was a Muslim. Hazrat Ji rua repeated his question'Everyone calls him/herself a Muslim. What is you belief about the finality of Prophethood Will there be another prophet after the Holy Prophet saws

She replied' No'

Hazrat Ji rua asked her' :Did your father also have this belief'

'No, he was an Ahmedi'.

Hazrat Ji rua asked again'What is your belief regarding the Qadiyanis. Do you consider them Muslims'

She could not help, but answer. 'I consider them Kafirs'.

Hazrat Ji(rua) smiled and said'That is correct. There is no need for concern'.

Hazrat Ji(rua) would say about Mirza Qadiyani that reading about this man makes one sad; if this man had to make such a great claim, he should have at least kept an eye on his character. He did not even reflect, that this claim couldn't be made, while possessing such a low and unsavoury character.

Once the DC of Mianwali, while on a tour of Chakrala, came to meet Hazrat Ji rua along with his retinue. After the Asr Salah, Hazrat Ji rua, as per his routine, was seated in the outer courtyard of his home along with some local people. On the arrival of the DC, he (rua) immediately felt that this person was either a Qadiyani or a Pervaizi.

The degree of darkness and inauspiciousness for every belief is different, and a person with spiritual sight can discern the person's belief by its darkness. Both Qadiyaniyat and Pervaiziyat targeted prophet hood. One refused to accept the Holy Prophet(saws) as the teacher and expositor, while the other refused to believe in the finality of Prophet hood and launched a new prophet-hood. Because of this, both contain similar darkness.

Considering Hazrat Ji rua an ordinary village Maulvi, the DC started asking some absurd questions. On the second question Hazrat Ji rua discerned that the person was a Qadiyani, and he rua recited Ayah 115 of Surah Nisa, in which the result of heretics is mentioned.

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ○

" Whoever opposes the Messenger even after guidance has been plainly conveyed to him, and follows a path other than that of Believers, We shall leave him in the path, he has chosen, and land him in Hell, and what an evil destination"!

Hazrat Ji rua said: "The entire Ummah is unanimous about Qadiyaniyat being Kufr." (To be continued)

prophet-hood after Muhammad saws ur Rasool Allah, a Kafir, and also consider anyone, who believes in such false claimant of prophet hood, a Kafir.'

This is how Hazrat Ji rua in a few words, laid down the features of the belief in Khatm-e- Nabovat. This manner of defining every aspect of the belief clearly, part-by-part, as an element of Iman(Faith)is now reflected in the oath taken by Muslims, as required by the Constitution of Pakistan.

Hazrat Ji rua remarked',Now she has even called her father a Kafir. Keep this letter safe.'Later Lieutenant Rafiq married this lady and she too was fortunate to enter the Silsilah.

During this army officer's stay in Chakrala, the situation, which had been claimed by Hazrat Pir Mehar Ali Shah(rua) and Sayyed Anwar Shah Kashmiri (rau) was practically displayed. A recorded conversation of Hazrat Ji (rua) mentions this event.

'I do not remember, if, it was at the Zikr of Sehri or Maghrib, I asked Rafiq; have you been to Qadiyan and have you seen the grave of Mirza Qadiyani'

He replied that he had been there many times.

'Can you bring it to mind now'

When he replied in the affirmative I told him; reach there spiritually and concentrate inside the grave.'

As soon as he concentrated inside the grave he exclaimed fearfully:

'There is a bear in the grave.'

'Are you sure it is not some other grave'

Lieutenant Rafiq answered',Hazrat it is the same grave, I have been there many times.'

After recounting this Hazrat Ji-rua explained':The greatest punishment is when the species is altered. Mirza Nasiruddin is also in this condition. They destroyed their eternal life for the fleeting(temporary) life. Craver for women...is this the dignity of the(false) prophet! He died calling out Mohammadi Begum, Mohamadi Begum and landed in Hell.'

After this Hazrat Ji rua read the following Ayah(Al Ma'idah: 60)

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ أَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيلِ ○

'He transformed(some) into apes and swine, those who worshipped false deities.'

As most of Lieutenant Rafiq's relatives were Qadiyani, the Ahbab expressed their apprehension of his going astray again, but Hazrat Ji rua said',He will never become a Qadiyani again, Insha Allah. He has seen Mirza Qadiyan. He may leave the Silsilah otherwise, being a difficult endeavour, that's another matter.'

When Lieutenant Rafiq apprised his family of the whole situation, they renounced Qadiyaniat and reverted to Islam. His father and grandfather had already died, however his mother was blessed with Islam.

In 1977,Hazrat Ji rua was on a tour in Peshawar, when the case of an army officer was presented before him, whose wife was from a Qadiyani preacher family. Due to her parental influence, an argument would

Hayat-e-Javidan Chapter 22

A Life Eternal (Translation)

FromPreviousMonth

Hazrat Ji rua would often relate the account of a family that renounced Qadiyaniat and reembraced Islam. The episode was recorded in Hazrat Ji rua's own words on a number of occasions. This account is full of admonition and can become a means of reformation for the vacillating Qadiyanis.

Lieutenant Rafiq Ahmad, who later retired as Lieutenant Colonel, was a Qadiyani officer. His grandfather reneged Islam and the rest of the family followed him. Lieutenant Rafiq was born and raised in this environment. During his attendance at an army course, he came across some Ahbab of the Silsilah who, following in the footsteps of the Sufia Karam instead of engaging in argument about his religious belief, invited him to do Zikr. When Lieutenant Rafiq started Qalbi Zikr, Allah swt rewarded his sincere longing with the bestowal of spiritual sight. When confronted by Reality, he renounced Qadiyaniyat. In the ten day leave period after the course, he went to meet Hazrat Ji rua in Chakrala and asked him what he should do as he no longer wanted to return to the Qadiyani atmosphere of his home. Hazrat Ji rua replied'‚Stay here with me.'

One day Hazrat Ji rua noticed Rafiq looking distressed and asked him the reason for his distress. He told him that he had been engaged to his uncle's daughter, but all the members of her family were Kafir. Hazrat Ji rua asked him to write a letter to her and ask'‚Do you consider Muhammad saws ur Rasool Allah, the Last Prophet or not, and can there be another prophet after Muhammad saws ur Rasool Allah or not What is your belief'

She wrote back' ‚I believe that Muhammad saws Rasool Allah is the Last Prophet. Do not involve me in any further details.'

Hazrat Ji rua read her reply and remarked'‚She has side-stepped the question. Now write to her:

'Do you consider Muhammad saws ur Rasool Allah as the Last of all Prophets, and do you consider anyone after Muhammad saws ur Rasool Allah, claiming prophet hood a Kafir or a Muslim, and do you consider anyone believing this false claimant of prophet hood, a Kafir or a Muslim. Answer these questions.

She replied'‚I believe in Muhammad saws ur Rasool Allah as the Last Prophet, I consider anyone claiming

Rabiulawal 1436H

ماہنامہ

المرشد

January 2015

عَنْ أُمِّ أَنَسٍ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَوْصِنِي
قَالَ اهْجُرِي الْمَعَاصِيَ فَإِنَّهَا أَفْضَلُ الْهِجْرَةِ
وَحَافِظِي عَلَى الْفَرَائِضِ فَإِنَّهَا أَفْضَلُ الْجِهَادِ
وَأَكْثِرِي مِنْ ذِكْرِ اللهِ فَإِنَّكِ لَا تَأْتِينَ اللهَ بِشَيْءٍ
أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ ذِكْرِهِ (الطبراني)

Hazrat Umme Ans (rau) narrates that she asked the Prophet (SAWS) to give her counsel. He (SAWS) said, refrain from sin as this is the best migration. Fulfill your duties as this is the best jehad. And do Zikr Allah in abundance because in Allah's court this is the most appreciated deed.

Commemoration of the Prophet (SAWS) is a very delicate matter. Though it can be done any time, in any manner, there is only one condition that it should not exceed the limits of the teachings of the Holy Prophet (SAWS).

Al-Sheikh Ameer Muhammad Akram Awan (MZA)

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے

انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255